# آریہ مذہب کا آئینہ

از

حضرت مولانا مولوی سید ابو محمد ثاقب صاحب

کانپوری

# آریہ مذہب کا آئینہ

از

سید ابو محمد ثاقب صاحب کانپوری

جسے

دار الاشاعت اسلام لاہور نے

اپریل ۲۷ء میں

منصور سٹیم پریس لاہور میں باہتمام سید لال شاہ چھپوا کر شائع کیا

بار دوم ۱۰۰۰ قیمت عہ

# فہرست مضامین آریہ مذہب کا آئینہ

# اِنتساب

میں اپنی اِس ناچیز تالیف کو اپنے

پاک مذہب "اِسلام" کے نام کے ساتھ

منسوب کرنے کی عزت حاصل کرتا ہوں جس نے

دنیا کو جہالت و وحشت سے نکال کر تہذیب

و شائستگی کا سبق دیا۔ ع

میری قسمت سے الٰہی پائے یہ رنگِ قبول

(عقیدت گذار) ثاقب

# اظہارِ حقیقت

اگرچہ اس موضوع پر کثرت سے کتابیں لکھی جاچکی ہیں۔ اور ان میں سے بعض بہت کچھ مفید بھی ہیں۔ تاہم ایک عرصے سے میں اس ضرورت کو محسوس کر رہا تھا کہ کوئی ایسی کتاب تالیف کی جائے جس میں یہ تمام منتشر ذرے ایک جگہ جمع کر دئے جائیں۔ تاکہ لوگ صرف ایک کتاب کے مطالعہ سے وہ معلومات حاصل کر سکیں جو مختلف کتابوں میں پریشان ہیں۔ چنانچہ یہ آگ جو عرصے سے سینے میں پوشیدہ تھی رسالہ "دارالاشاعت اسلام" لاہور کے مہتمم جناب منشی مبارک علی خاں صاحب کی تحریک سے اور زیادہ مشتعل ہوگئی۔ اور وہ خیال جو صرف دماغ ہی تک محدود تھا۔ عمل سے گزر کر صفحۂ قرطاس پر نظر آنے لگا۔

یہ ناشکر گزاری ہوگی اگر میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا سید شاہ سید محمد اکبر صاحب قبلہ مدظلہ العالی اور اپنے محترم بھائی حضرت مولانا سید شاہ سید ابو طاہر صاحب قبلہ کی ان قیمتی راؤں کا اظہار نہ کروں جو آپ حضرات نے وقتاً فوقتاً ناچیز کو دیں۔

آخر میں میں اپنے عزیز شاگرد جناب شیام کشور صاحب نور کانپوری کا بھی شکر گزار ہوں۔ کہ انہوں نے اس کے مسودہ کو صاف کرنے کی تکلیف گوارا کی اور مجھے ایک حد تک اس زحمت سے بچایا۔

اس کتاب کی ترتیب میں جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔ ان کا ذکر بھی مجھ پر فرض ہے۔ قول سدید۔ ٹریکٹ مدرسہ الہیات۔ آریہ مذہب کی حقیقت۔ ویدوں کی سرگذشت ہی وہ کتابیں ہیں جن کے ماخذ اس کتاب میں ملیں گے۔

یکم اگست ۱۹۲۷ء

سید ابو محمد ثاقب
خانقاہ شریف کانپور

# وید الہامی کتاب نہیں

بلکہ

## (رشیوں کی تصنیف ہے)

ہندوؤں کی سادہ دلی اور کورانہ تقلید پر جس قدر بھی تعجب کیا جائے وہ کم ہے۔ انہوں نے آجتک کبھی اس پر غور نہ کیا۔ کہ آیا ہمارے مذہب کی یہ مقدس کتابیں کس رشی پر اتریں۔ کب اتریں۔ اور ان کے اترنے کا کیا طریقہ تھا۔

اگرچہ ہندوؤں کی ایک بڑی جماعت ان قدیم کتابوں کا مُصنف برہما جی کو بتاتی ہے۔ مگر اب یہ خیال بھی باقی نہیں رہا۔ اور اس کی بجائے وایو۔ اگنی۔ ادت۔ انگرا۔ ان چار رشیوں پر ویدوں کا

نازل ہونا بتایا جاتا ہے۔

فی الحال ہمیں ان کتابوں کی قدامت سے کوئی غرض نہیں۔ بلکہ ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ کہ آیا سنسکرت زبان میں وحی اور نبی کے ہم معنی و مترادف الفاظ موجود ہیں۔ یا نہیں۔ اگر یہ الفاظ سنسکرت میں ہیں تو ویدوں کی صحت پر کامل طور پر تحقیق کرنے کی ضرورت ہوگی۔ اور اگر یہ الفاظ تمام سنسکرت زبان میں نہیں پائے جاتے تو یہ مسئلہ بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ کہ ہندو کسی نبی یا الہام کے متبع نہیں۔ اور اگر وہ ہوتے تو یقیناً ان کی زبان میں نبی اور الہام کے ہم معنی الفاظ موجود ہوتے۔ مگر جہاں تک میرا علم ہے۔ تمام سنسکرت لٹریچر میں نبی اور الہام کے ہم معنی الفاظ موجود نہیں۔

ممکن ہے بعض سطحی خیال رکھنے والے آریہ سماج اس کے جواب میں رشی اور درشٹو کے الفاظ پیش کریں۔ جس کے لئے یہاں پر نبی اور وحی کے اصطلاحی معنے لکھے جاتے ہیں۔ تاکہ ان سے دونوں کا صحیح صحیح تقابل ہو سکے۔

نبی۔ اصطلاح میں ایسے کامل انسان کو کہتے ہیں۔ جو خدا کی طرف سے اس کے بندوں کی ہدائت کے لئے آیا ہو یعنی پرمیشور نے اسے اپنے بندوں کے اُپدیش (ہدائت) کے لئے اپنا دوت (قاصد) بنا

کر بھیجا ہو۔

وحیؔ۔ اصطلاح میں خدا کے اس کلام کو کہتے ہیں۔ جو وہ نبی سے کرتا ہے۔ بخلاف اس کے رشیؔ اور درشٹوسے ان مذکورۂ بالا الفاظ کا مفہوم پیدا نہیں ہوتا۔

لفظِ رشی مصدر ہے۔ جس کے معنی دیکھنے یا جاننے کے ہوتے ہیں۔ یہ انؔ علامت لگا کر بنایا جاتا ہے۔ تو اس کے معنی دیکھتا ہے کے ہوتے ہیں۔

گر اصطلاح میں وید منتر کے دیکھنے والوں کو کہتے ہیں۔ جو نبی کا ہم معنی نہیں۔ اسی طرح درشٹو کے معنے بھی کسی کتاب اور کسی لغت میں وحی کے نہیں ہیں۔ بلکہ اس کے اصلی معنے دیکھنے کے ہیں اس لئے کہ منتر درشٹا (منتروں کو دیکھنے والا) منتر کرتا (منتروں کا بنانے والا) یہ دونوں متحد المعنے ہیں۔ صرف فرق یہ ہے۔ کہ شروع زمانے کے وامن اور وشِشٹہ وغیرہ اپنی تصانیف کے دیکھنے والے کہلاتے ہیں۔ اور دوسرے لوگ بنانے والے جو کسی طرح بھی وحیؔ کے ہم معنے نہیں۔

اب میں مزید اطمینان کے لئے خود منو کی کتب مسلّمہ سے یہ ثابت کروں گا کہ رشیؔ اور درشٹو نبی اور وحی کے ہرگز ہم معنے نہیں ہیں۔

چنانچہ اس ثبوت کے لئے ہم نرکتؔ کی عبارت پیش کرتے ہیں۔

"رشی دیکھنے سے ہوتا ہے۔ منتروں کو دیکھا اس وجہ سے رشی ہوا۔

یہ اوپ منو کی رائے ہے۔ برہمن (کتاب کا نام) بھی یہی کہتا ہے۔

ان پر ریاضت کرتے ہوئے وید ظاہر ہوا۔ اسی وجہ سے وہ رشی ہوئے۔"

درگاچاریہ صاحب جو نرکت کے مشہور مفسر ہیں۔ رشی کی تشریح کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں۔

"ایسے مطلب والے منتر سے ملا کر کئے ہوئے کام سے اس طرح فلاں نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کو جو دیکھتے ہیں۔ وہ رشی ہیں۔"

غرض ان تمام کتابوں اور حوالوں سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ رشی سے خدا کلام کرتا ہے۔ اور اسے وہ اپنی مخلوق کی ہدائت کے لئے بھیجتا ہے۔ ہاں اگر کچھ معلوم ہوتا ہے تو بس اتنا کہ رشی جب خالی الذہن ہوتے ہیں تو ان کے دل میں جو الفاظ آتے ہیں۔ اور جن کے متعلق انہیں یقینی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر فلاں الفاظ پر عمل کیا جائے تو فلاں کام انجام پا سکتا ہے۔ چنانچہ انہیں الفاظ کو منتر کہتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ خالی الذہن ہونے کی حالت میں جو خیالات انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا مصنف وہ خود ہوتا ہے۔ نہ کہ خدا اس لئے لفظ رشی نبی کا مترادف نہیں ہو سکتا۔ اور جب اگنی۔ وایو۔ ادت وغیرہ رشی ہیں تو اس حالت میں وہ ہرگز نبی نہیں ہو سکتے۔

درشٹو کے معنے بھی کسی لغت میں وحی کے نہیں ہیں۔ بلکہ اس کے معنی دیکھنے کے ہیں۔ اور جب نبی اور وحی کے ہم معنی الفاظ مذہبی کتابوں میں موجود نہیں تو وید کیونکر الہامی ہو سکتے ہیں۔

اب ہم خود ہندوؤں کے بڑے بڑے فاضل مفسرین کی رائے ویدوں کے متعلق لکھیں گے جو انہوں نے ویدوں کے غائر مطالعے کے بعد ظاہر کی ہیں۔

مہاراج ستی برت سماشرمی نے اپنی کتاب نرکتالوچن میں صاف طور پر لکھا ہے۔ کہ وید الہامی نہیں بلکہ رشیوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ اسی طرح پنڈت اکھلانند نے ویدوں اور برہمنوں سے ذیل کی عبارتیں پیش کی ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وید بجائے الہامی ہونے کے رشیوں کے بنائے ہوئے ہیں۔

منتروں (وید) کو بنانے والے اعلےٰ صفات سے متصف رشیوں نے آزاد دیوی کو انتہائے محنت اور ریاضت سے پایا۔ اسی کو ہوتی (ہون کا سامان) سے پوجتے ہیں۔ وہ ہم کو بہشت میں لے جائے۔

اس میں رشیوں کو منتر بنانے والا کہا گیا ہے۔ اسی طرح گوپتھ کی عبارت سے بھی یہی مفہوم پیدا ہوتا ہے۔

ادس بھگوان اتھربن رشی کا اتھربن وید ہوا۔ وشتیون (وید کے

خاص حصے) کو اتھربن رشی نے بنایا۔

اتھربن رشی نے جن منتروں کو دیکھا وہ اتھربن وید ہوا۔

وششٹھ نے وید بنایا۔

ویدوں کو برہمنوں نے بنایا۔

پنڈت اکھلانند اپنی کتاب وید تری سمالوچن کے ایک سو چھپن[۱۵۶] صفحے پر تحریر فرماتے ہیں۔ اگنی۔ وایو۔ ادت۔ انگرا۔ اتھروا۔ بھرگو۔ چندرمان کے جامع مانے جاتے ہیں۔ منتروں کو دیکھنے والے یا منتروں کے ارتھ کو دیکھنے والے رشی کہے جاتے ہیں۔ منتروں میں آئے ہوئے الفاظ کے مجموعہ کو وید کہتے ہیں۔ اگنی وغیرہ رشیوں کے علاوہ سوکت اور موجودہ منتروں کے رشی الگ الگ چھپے ہوئے ملتے ہیں۔ تب اگنی وغیرہ کو ان کا مصنف مانا جائے۔ یا منتروں پر موجودہ رشی کو جو کہ موجودہ کتابوں میں ملتا ہے۔ یہ بڑا شبہ پیدا ہوتا ہے۔ جس پر ہر ویدگی (وید کے عالم) کو غور کرنا چاہیئے۔ مطلب یہ ہے کہ اگنی وغیرہ چاروں رشی وید کے مصنف نہیں ہیں بلکہ جامع ہیں۔

# ویدی بے ربطی

وید کے مطالعہ کے بعد معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ کسی بامعنی و مسلسل احکامات کا مجموعہ نہیں ہے۔ بلکہ بے ربط۔ متضاد اور مہمل باتوں کا ایک ایسا دفتر ہے۔ جس میں نہ کسی صحیح مخاطب کا پتہ ہے۔ اور نہ ایک منتر کو دوسرے منتر سے کوئی لگاؤ۔

اگر کوئی شخص ایک مرتبہ ویدوں کو شروع سے آخر تک پڑھ لے اور پھر اس سے پوچھا جائے کہ اس میں کس قسم کی تعلیم ہے تو شائد وہ انٹ شنٹ بکنے کے سوا اور کوئی جواب نہ دے سکے گا۔

چنانچہ ویدوا کی کشمکش سے تنگ آکر کوتش رشی صاحب صاف طور پر ویدوں کو بے معنی اور مہمل لکھتے ہیں۔ ہم یہاں پر رشی صاحب کے خیالات کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔

نرکت (لغت وید) جس پر ویدوں کے معنی کا انحصار ہے۔ اس میں کوتش رشی صاحب کا یہ ارشاد ملتا ہے کہ

"اگر نرکت بنانے کی یہ غائت ہے۔ کہ وہ وید منتروں کے معنی بتائے تو یہ ایک فعل عبث ہے کیونکہ ویدوں کے منتر کچھ معنی نہیں رکھتے اور وہ بالکل مہمل ہیں"۔

رشی موصوف نے بہت سی دلیلیں اپنے دعوے میں پیش کی ہیں۔ من جملہ ان کی چند دلیلیں بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں۔

اے دوا تو اس یجمان کی حفاظت کر۔

یجروید۔ ۴۔ ۶۔ ۱۵

اے کلہاڑے تو اسے مت مار۔

پہلے منتر میں دوا یعنی ایک بے جان چیز سے خطاب کیا گیا ہے جو بالکل مہمل اور خلافِ عقل بات ہے۔ دوسرے منتر میں درخت کا کلہاڑے سے کاٹا جانا اور اس منتر کا پڑھا جانا ہے۔ جس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے۔ کہ درخت کو نہ کاٹنا چاہیئے۔ لیکن واقع اس کے خلاف ہے۔ بس یہ منتر آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور یہی بے معنی ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

اکیلا رودر (نام دیوتا) میدان جنگ میں کھڑا ہوا۔ دوسرا نہیں۔

کرشن یجروید۔ ۱۔ ۸۔ ۶۔ ۱

بیشمار۔ ہزاروں رودر جو زمین کے اوپر ہیں۔

یجر وید ۱۶ - ۵۳

اے اندر تو بے غنیم ثابت ہوا۔

رگوید
رگوید ۸ - ۲ - ۲۱ - ۲

اندر نے سو فوجیں اکٹھی جیتیں۔

رگوید
رگوید ۸ - ۵ - ۲۲ - ۱

پہلے منتر میں ردّر کو اکیلا بتایا گیا ہے۔ لیکن دوسرے میں ہزاروں اور بے شمار۔ اسی طرح تیسرے منتر میں اندر کے دشمنوں سے انکار کیا گیا ہے۔ اور چوتھے منتر میں صاف طور پر اندر کے دشمنوں کی موجودگی ظاہر ہے۔ اسی قسم کے متعارض اور ایک دوسرے کو رد کرنے والی باتیں صاف صاف کہ رہی ہیں کہ وید مہمل ہیں اور ان میں معنی تلاش کرنا حماقت ہے۔

ذیل کے ایک لغو و مضحکہ خیز منتر پر غور کرو۔ ایک ہی چیز کو تمام دنیا کہا جا رہا ہے۔ جس سے بڑھ کر اس کے مہمل ہونے کا اور کوئی ثبوت نہیں۔

"ادتی آسمان ہے۔ ادتی ہی زمین و آسمان کے بیچ کا خلا ہے۔ وہی ماں اور وہی لڑکا ہے۔ وہی سب کا دیوتا ہے۔ اور وہی سب انسان۔ جو چیز کہ پیدا ہو چکی ہے۔ اور جو ہو گی وہ سب ادتی ہے۔"

"رشیوں کا علم صحیح ہوتا ہے۔"

یہ وید کی تعلیم ہے اور اس بنا پر کوئی ہندو ویدوں کے بے معنی ہونے سے انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ کوتش مہاراج جو ایک مسلم رشی تھے صاف طور پر ویدوں کو مہمل اور بے معنی کہہ رہے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ان کا علم بحیثیت رشی کے صحیح تھا۔ چنانچہ وید میں ایسی باتیں بھی ملتی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس کا بنانے والا شک میں رہا کرتا تھا۔ اور اُسے کسی چیز کے متعلق کوئی قطعی علم نہ تھا مثلاً۔

"وہ اوپر تھا یا نیچے"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ منتروں کے بنانے والے کو اس بات کا شک تھا۔ کہ آیا یہ چیز اوپر تھی یا نیچے۔ اور اسی شک والے علمی کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ ویدوں کا بنانے والا کوئی انسان ہے نہ کہ خدا کیونکہ اگر یہ خدا کا کلام ہوتا۔ تو اس میں شک وشبہ اور لاعلمی کو دخل نہ ہوتا۔ اس لئے کہ شک اور لاعلمی خدا کی ذات کے منافی اور اس کی شان سے بعید ہے۔

ذیل کے منتر میں وید کی غلط بیانی ملاحظہ فرمائیے۔ کہ ایک ایسی چیز کا ذکر کیا جاتا ہے جو معدوم الوجود ہے۔ اور دنیا کے کسی حصے میں باوجود ترقی کی اس روشنی کے کہیں اس کا پتا نہیں چلتا۔

اس کے چار سینگ۔ تین پیر۔ دو سر۔ سات ہاتھ ہیں۔ اور تین طرح بندھا ہوا ہے

ایسا بڑا دیوتا بیل آواز دے رہا ہے۔ اور انسانوں میں داخل ہو رہا ہے۔

# وید ہمیشہ سے غیر محفوظ رہے

یہاں تک کہ

## ایک ہزار ایک سو اکتیس ۱۱۳۱ میں سے صرف چار رہ گئے

اگر آریہ اپنے مذہب کی بنیادی کتب ویدوں کو آنکھوں سے تعصب کی عینک اتار کر دیکھیں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ موجودہ وید اصلی وید نہیں بلکہ وہ امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں ایسے تباہ ہوئیں کہ مٹ چکے اور ان کی جگہ پنڈتوں اور برہمنوں کی من گھڑت باتوں نے لے لی۔ چنانچہ اس کا ثبوت ذیل کی مسلم و مقدس کتابوں سے دیا جا سکتا ہے:۔

مہابھارت میں صاف طور پر لکھا ہوا ہے۔ کہ جس نے برہماجی کو دنیا کے پیدا کرنے میں مدد دی تھی وہ ویدوں کو چرا لے گیا۔ اس حادثے پر برہماجی نے یہ فریاد کی

"وید میری آنکھوں کا نور اور میری اعلیٰ طاقت ہے۔ میں ان ویدوں

کے بغیر کیا کروں گا۔ دنیا میں وہ ایک ہی اعلیٰ درجے کی چیز ہے"

یہی مضمون مہابھارت کے شانتی پرو اور شلوک ۷۵۴/۱۳ اور ۱۲۵۰۰۲۶ میں بھی موجود ہے۔ وشنو پران ۳ ۲/۱۲ میں لکھا ہوا ہے کہ "چار یگوں کے آخر پر ویدوں کا گم ہو جانا۔ کل جگ کا حادثہ واقع ہوا تو سات رشی آسمان سے ظاہر ہوئے۔ اور انہوں نے پھر ان کو جاری کیا" یہی مضمون مہابھارت شانتی پرو شلوک ۶۶۰ میں بھی موجود ہے +

اب سوال یہ ہے کہ آیا ان رشیوں نے ویدوں کو اصلی صورت میں ظاہر کیا یا نہیں۔ چنانچہ تیتریا برہمن ۱۱/۳ ۱۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ "اننتا ولی ویداہ" "یعنی وید بے شمار تھے"۔ ان میں سے رشیوں نے جتنا مناسب سمجھا اسے ظاہر کیا۔ اور باقی تمام ویدوں کو چھپا کر ضائع کر دیا۔ چنانچہ ویدوں کے ضائع ہونے کے متعلق ذیل کی روائت بہت مشہور ہے +

"شکل وید اور کرشن وید کیسے بن گئے اس کی تفصیل شتپتھ برہمن وشنو پران ۵/۴ ۳۔ وایو پران اور بھاگوت میں اس طرح بیان کی گئی ہے +

مہارشی دیاس کا شاگرد وشیم پائن۔ یاگ ولک وغیرہ اپنے شاگردوں کو یجر وید پڑھایا کرتا تھا۔ اتفاق سے ایک دن وشیم پائن کسی بات پر یاگ ولک سے بگڑ گیا اور غصے میں اس سے کہا کہ میرا پڑھایا ہوا

وید مجھے واپس دیدے۔ یہ سن کر سعادتمند شاگرد کو بھی تاؤ آگیا اور فوراً
اپنے یوگ کی کرامت سے کل پڑھا ہوا وید قے کے ذریعہ اگل دیا۔
وشیم پائن نے جب یہ حالت دیکھی تو اپنے شاگردوں کو حکم دیا کہ وہ
تیتر بن کر اسے کھالیں۔ چنانچہ انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی اور
فوراً اس قے کو کھا گئے۔ چونکہ یجروید کے یہ منتر قے کئے ہوئے تھے
اور دوبارہ کھائے گئے تھے اور کھانے والے بھی صاحب کمال نہ
تھے۔ اس لئے یہ "یجروید کرشن" (سیاہ وید) کے نام سے مشہور ہوئے
یہ دیکھ کر یاگ ولک کو بڑا رشک ہوا۔ اور انہوں نے سورج بھگوان
سے اس کی التجا کی اور اسے خوش کر کے اس سے ایک اور یجروید
حاصل کیا جو "شکل یجروید" (سفید یجروید) کے نام سے مشہور ہوا۔

اب میں یہ ثابت کروں گا کہ وید صرف چار ہی نہ تھے بلکہ ایک ہزار
سے بھی زیادہ تھے جو گردش زمانہ کی نذر ہو گئے اور جو موجودہ ہیں وہ بھی
اصلی نہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ویدوں کے مجموعی حصے باختلاف آرا ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ اور ۱۱۳۷
ہیں۔ مگر ان میں سے ۱۱۳۱ حصے جنہیں آریہ اور سناتن دھرمی دونوں
مانتے ہیں۔ زیادہ مسلم ہیں۔ ویدوں کی اتنی تعداد کے متعلق آریہ کہتے
ہیں۔ کہ ایک ہزار ایک سو اکتیس ان چار ویدوں کی شاکھائیں یعنی

شرح بتھیں۔ جو ضائع ہو گئیں اور اصلی وید باقی رہ گئے جس سے ہمارا کوئی نقصان نہیں۔ مگر سناتنی علماء "شاکھا" کے معنی شرح کے نہیں لیتے بلکہ وہ صاف کہتے ہیں کہ ویدوں کے ۱۱۳۱ حصے تھے جن میں سے ضائع ہو کر اس وقت بھی سات یا آٹھ حصے موجود ہیں +

لفظ "شاکھا" پر آریہ اور سناتنی پنڈتوں سے بڑی بڑی معرکتہ الآرا بحثیں ہو چکی ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ شاکھا کے معنی شرح کے بھی ہیں۔ مگر اس جگہ شاکھا سے مراد وید کے حصے ہی ہیں۔ چنانچہ بھاگوت۔ وشنو کرم مارکنڈے وغیرہ پرانوں سے لفظ "شاکھا" بمعنی "ویدک وبھاگ" یعنی وید کے ایک حصے کے معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ وید میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے "ہستا بھیام دش شاکھا بھیہ" یعنی دونوں ہاتھوں کے دس حصے یا دس انگلیاں ہیں اور درخت کی شاخوں کو بھی "شاکھا" کہا گیا ہے۔ "اشٹا دھیائی" جو سنسکرت کی ایک نہائت معتبر گرامر ہے۔ اس میں گوترم چہ چرنیہ سہ $\frac{1}{2}$ ۱۱۴ لفظ شاکھا چرن کے معنوں میں آیا ہے۔ اس لئے سناتن دھرمی پنڈتوں کے معنی بظاہر درست معلوم ہوتے ہیں۔ مگر ویدوں کی مختلف شاکھاؤں کا مقابلہ کرنے سے یہ معنی بھی غلط ثابت ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ ان مختلف شاکھاؤں میں کوئی علیحدہ علیحدہ مضمون نہیں۔ بلکہ صرف

منتروں کی ترتیب اور کمی بیشی - برہمن گرنتھوں کے اقوال اور چھوٹے چھوٹے جملوں کی ملاوٹ کے سوا اور کوئی فرق نظر نہیں آتا یہ امر جہاں آریہ سماج کے دعوے کی تردید کرتا ہے - کہ شاکھا ویدوں کی شرح نہیں - وہیں سناتن دھرمیوں کے معنی کو بھی قائم نہیں رہنے دیتا کہ شاکھا وید کے حصے ہیں +

میں نے جہاں تک غور کیا ہے - میرے خیال میں "شاکھا" نہ تو وید کی شرح ہیں اور نہ ویدوں کے حصے بلکہ وہ حقیقت میں ویدوں کے مختلف نسخے ہیں - چنانچہ چرن دیوہ مصنفہ داس سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے - اس میں یجروید کے متعلق لکھا ہے - کہ "یجروید سیہ شرشیتسر بھیدہ" یعنی یجروید کے ۸۶ مختلف نسخے ہیں +

مہابھاشیہ کے ان الفاظ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے - "اک ونشتی دا رچیم نودھا اتھرو نو ویدہ" یعنی اکیس ۲۱ قسم کے رگوید اور نو ۹ قسم کے اتھروید ہیں اس عبارت سے کوئی شخص رگوید کی اکیس ۲۱ اور اتھروید کی نو ۹ شرحیں نہیں سمجھ سکتا - بلکہ اس کا مطلب بالکل صاف ہے - کہ رگوید کے مختلف قسم کے اکیس ۲۱ نسخے ہیں - اور اتھروید کے نو ۹ +

سوامی دیانند نے تمام دلائل اور ثبوتوں سے الگ ہو کر اپنا ڈیڑھ اینٹ کا مندر الگ بنایا ہے - وہ اپنی کتاب "رگویدادی بھاشا بھومکا"

اور ستیارتھ پرکاش میں لکھتے ہیں۔ کہ ویدوں کی کل ایک ہزار ایک سو ستائیس شاکھائیں ہیں۔ خدا جانے سوامی جی نے یہ دعویٰ بلا دلیل کہاں سے لکھ دیا۔ حالانکہ "مہا بھاشیہ" اور شرح سروانو کرمنی سے ایک ہزار ایک سو اکتیس ۱۱۳۱ شاکھائیں ثابت ہیں جن میں سے یہ موجودہ چاروں وید بھی ہیں۔ اس لئے "پانی منی کی گرامر اشٹا دھیائی ۱۰۱۔۳ ۴ کے "سوتر شونک آدھی بھیئو چھندسی" کے ذیل میں تقریباً سترہ ۱۷ مختلف شاکھاؤں کے نام آئے ہیں اور ان سب کو وید ہی کہا گیا ہے۔ اور انہیں میں "واجنی سنگھتا" بھی ہے۔ جس کو سوامی جی اصل وید تسلیم کرتے ہیں۔ مگر پانی کا سوتر تو باقی سولہ ۱۶ شاکھاؤں کو بھی وید ہی قرار دیتا ہے +

## رگوید کے مختلف نسخے اور اتلاف

رگوید کے کل اکتیس حصے تھے جن میں سے پانچ (۱) شولائن (۲) شانکھائنی (۳) شاکل (۴) باشکل (۵) مانڈوکیہ۔ کے نام سے لوگ واقف ہیں۔ مگر سوائے شاکل۔ باشکل سنگھتا کے اور کوئی نسخہ نہیں ملتا اور رگوید کے تمام حصے بالکل غائب ہو گئے +

پروفیسر میکسمولر اپنی تاریخ قدیم لٹریچر جلد ۳۲ مشرقی کتب مقدسہ کی ذیل میں لکھتے ہیں کہ "جب وید لوگوں کی زبانی روایتوں

سے اکٹھے کئے گئے تو ان میں بہت سی غلطیاں تھیں جن کی اصلاح بعد میں کی گئی" اور بالکھلیہ سوکت بھی بعد میں ملا دیئے گئے۔ اسی وجہ سے انوکرمنی نے ان کو شمار نہیں کیا"۔

## یجر وید کے مختلف نسخے اور ان کا اتلاف

مہا منی پاتنجلی کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یجر وید کے ایک سو ایک طرح کے مختلف نسخے تھے ان میں سے (۱) چرک سنگھتا (۲) میترایَنی سنگھتا (۳) واجنی سنگھتا (۴) تیتر سنگھتا۔ بہت مشہور ہیں۔ ان میں سے بھی ایک ایک سنگھتا کے کئی کئی مختلف نسخے تھے گویا شاخ در شاخ ہوتے چلے گئے تھے۔ چنانچہ واجنی سنگھتا سات طرح کے تیتریا سنگھتا چھ طرح کے اور چرک سنگھتا انیس ۱۹ طرح کے تھے۔ مگر اس وقت یجر وید کے صرف پانچ قسم کے نسخے ملتے ہیں۔ باقی چھیانوے ۹۶ نسخے ضائع ہو گئے۔

## سام وید کے مختلف نسخے اور ان کا اتلاف

شام وید کے کل ایک ہزار مختلف نسخے تھے۔ چنانچہ مہا منی پاتنجلی کہتا ہے۔ "سہسر ورتما زیدہ" یعنی سام وید کے ایک ہزار نسخے تھے۔ اسی طرح چرن دیوہ کا مصنف کہتا ہے۔ "ویدیہ کل سہسر بھید آسن اند ھیاد نشواد ھیا ناستے شنت کرتو وجرین ابھی بھاہ پر نشتاہ" (چرن دیوہ ۳) یعنی سام وید

ایک ہزار طرح کے تھے مگر ان کو بے موقعہ پڑھے جانے کے سبب سے اندر نے اپنے بجر سے تباہ کر دیا۔

ان ایک ہزار سام ویدوں میں سے صرف سولہ کے نام چرن دیوہ وغیرہ کتابوں میں ملتے ہیں۔ مگر افسوس کہ صرف ایک نسخہ کتھومی ہے اور کوئی نسخہ آج دنیا میں موجود نہیں۔ اور پھر لطف یہ ہے۔ کہ جن جن مطابع میں یہ الہامی نسخہ چھپا ہے۔ غضب میں برابر اختلاف ہوتا چلا گیا ہے۔ کسی نسخے میں کچھ ہے اور کسی نسخے میں کچھ۔ چنانچہ یہی نسخہ جو جونا گڑھ کے ست دھرم موریا پرکاش میں چھپا ہے۔ اس میں اور کلکتہ، بنارس، لاہور اور اجمیر کے چھپے ہوئے نسخوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

## اتھروید اور اس کا حشر

اتھروید کے دو حصے ہیں۔ ایک حصے کو اتھرو اور دوسرے کو انگرس کہتے ہیں۔ انگرس وید کو خصوصیت کے ساتھ عورتوں کو سنانے کا حکم ہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ یہ حصہ جسے عورتوں کے سنانے کا حکم ہے۔ ایسی ناپاک و شرمناک تعلیم سے پر ہے کہ نہ کوئی غیرتمند مرد اسے پڑھ سکتا ہے۔ اور نہ کوئی باحیا شریف عورت اسے سن سکتی ہے چنانچہ ایک مرتبہ جب ایک اسلامی مبلغ نے اس کی تعلیمات کو ایک عام جلسے میں جس میں مرد اور عورتیں دونوں شریک تھیں بیان کرنا شروع کیا تو تمام مجمع میں ایک ہلچل پڑ گئی اور چاروں طرف سے "Respect for women"[1] کی آوازیں آنے لگیں

[1] عورتوں کا احترام کیجیے۔

اور اس غریب کو آئرین خدا کے اس کلام کو مجبوراً بند کرنا پڑا۔

مہامنی پاتنجلی کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے زمانے میں اتھروید کے نو ۹ مختلف حصے تھے۔ گو کاتیاین نے پندرہ ۱۵ لکھے ہیں۔ اور چرن دلیوہ کے مصنف نے بھی نو ۹ نسخوں کا تذکرہ کیا ہے جن کے نام یہ ہیں۔ (۱) پپلاد (۲) تو داد (۳) مو داہ (۴) شونکی (۵) جاجلدہ (۶) جلداہ (۷) برہم وداہ (۸) ریودرشا (۹) چارن وید۔ مگر آجکل پپلاد شاکھا اور شونک شاکھا کے نام سے ملتے ہیں اور ان میں بھی آپس میں بہت بڑا اختلاف ہے۔

اب آریہ سماجی دوست غور کریں کہ جب ان کی مذہبی کتابیں آج اپنی اصلی حالت میں موجود نہیں اور قریب قریب سب ضائع ہو چکی ہیں تو خدا کے لئے انہیں اس مذہب کی طرف غور کرنا چاہیے جس کی مذہبی تمام کتابیں اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں۔ اور باوجود تیرہ سو برس گزر جانے کے اس کا ایک ایک حرف اسی طرح محفوظ ہے۔ جیسا کہ وہ تیرہ سو برس پیشتر تھا۔ اگر تم غور کرو گے تو تمہیں یہ ایک ایسا صاف اور فطری مذہب نظر آئے گا جو انسانی زندگی کے پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل میں راہنمائی کرنے کے لیے تیار ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب عقل و تدبیر کو ٹھکراتے ہیں۔ لیکن اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو قدرت کے ان بیش بہا عطیوں کو دعوت دیتا ہے۔

# ویدوں کی تعلیم

وید ایسی ناپاک اور نجس تعلیم سے بھرے ہوئے ہیں۔ کہ دنیا کی کوئی فحش سے فحش کتاب بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور نہ کوئی غیر متمدن انسان اسے پڑھنا گوارا کر سکتا ہے۔ میرے خیال میں یہ ہندوؤں کی بہت بڑی جسارت ہے کہ وہ ایسی لغو اور مہمل کتابوں کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ میں بطورِ نمونہ کہیں کہیں سے ان ویدوں کی عبارت پلیش کرتا ہوں کہ اہل وطن اس کی تعلیم پر غور فرمائیں۔ اور یہ فیصلہ کر سکیں کہ کیا ایسی تعلیم دینے والی کتاب خدا کا کلام ہو سکتی ہے۔

"کس نے دیا۔ کس کے لئے دیا۔ شہوت کے لئے دیا۔ شہوت ہی دینا ہے۔ شہوت ہی لینا ہے۔ شہوت تیرے لئے نہ کچھ دینا ہے نہ لینا ہے۔ کسی نے دیا نہ لیا۔ شہوت ہی دیا اور شہوت ہی لینا ہے۔ شہوت ہی کے سب بکھیڑے ہیں" (یجر وید ۸ کتم)

"ماس۔ شراب اور جماع میں دوش نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تو جیون کا سبھاؤ ہے۔" (منو ۵ کتم)

"سب سے پہلے دنیا میں کام وید (شہوت کا دیوتا) پیدا ہوا۔ اس کو نہ دیوتاؤں نے جانا نہ پیروؤں نے نہ آدمیوں نے۔ لہذا اے کام وید تو بڑا ہے۔ دنیا کا چلانے والا ہے۔ تجھ کو نمشکار ہے۔" (اتھروید ۹-۲-۱۹)*

"اے اگنی۔ اے سورج۔ اے سرسوتی۔ اے وید راج (ملک الحکماء) آج اس کا ........ بشل کمان کے تان دے۔" (اتھروید ۴-۴-۱)*

"گھوڑے۔ خچر اور مست بکرے اور مینڈھے میں جو قوت باہ ہے۔ اس کو اس ........ میں قائم کر۔" (اتھروید ۴-۴-۸)*

"جتنا مخصوص ہرن۔ ہاتھی۔ گھوڑے کا ........ ہوتا ہے۔ اتنا ہی آپ کا بڑھے۔" (اتھروید ۶-۷۲-۳)*

"اسی طرح تیرے ........ کو یکایک یہ ارک کا درخت جسم کے ساتھ ملنے پر تان دے۔" (اتھروید ۶-۷۲-۱)*

اے شہوت والے تو قوت باہ بڑھا۔ سانس پھینک بڑھا۔ اور پھیلا جس طرح تیرا عضو ........ بڑھے اور اس سے تو عورتوں کو شکست دے۔ (اتھروید ۶-۱۰۱-۱)*

میں تیرا کمان کی تانت یا رسی کی طرح تانتا ہوں۔ تو بے دھڑک مست اور خوش ہو کر بیل کی طرح عورتوں پر حملہ کر۔ (اتھروید ۴-۴-۷)*

اے "گربھ دھارن" کرنے کے بعد اس کی رکھشا کرنے والے اور

آہستہ آہستہ چلنے والے خاوند۔ آپ روز میرے من کو خوش کرنے والے اور دھرم کے ساتھ دھن، جمع کرنے والے ہیں۔

(یجروید آٹھواں ادھیائے منتر ۲۷)

اے استری پرشو! جس طرح ہوا حرکت کرتی ہے۔ یا جس طرح سمندر اپنی لہروں سے اچھلتا ہے۔ اسی طرح تمہارا یہ حمل پورے دس مہینے تک آہستہ آہستہ بڑھتا ہوا پورے دس ماہ کے بعد ہی بچہ ہو۔

(یجروید ادھیائے ۸۔ منتر ۲۸)

اے میری خوش قسمت شادی شدہ استری تیرا "گربھاشیہ" (رحم) سب بیماریوں سے دور رہے۔ تیرا گربھاشیہ حمل دھارن کے لائق ہے تیرے گربھاشیہ کے تمام حصے خوبصورت اور سیدھے ہیں۔ اے حمل کی خواہش کرنے والی میں تیرے ساتھ "دھرم پورک سماگم" کر کے تیرے ویسے گربھاشیہ میں حمل کو دھارن کروں۔ (یجروید ادھیائے ۸ منتر ۲۹)

اے استریو! تم عمدہ پھولوں اور خوش ذائقہ پھلوں والی اوشدھی کا سیون کرو تا کہ عین رتو کال میں تمہیں گربھ (حمل) پراپت ہو۔ اور تمہارا گربھاشہ (رحم) اپنی اصلی حالت پر قائم رہے۔



# ویدک عبادت کا فلسفہ

## سندھیا اُوپاسن

آریہ سماج کے اصول کے مطابق اصل عبادتیں جن کو ہم مسلمان اپنی اصطلاح میں فرائض کہہ سکتے ہیں۔ وہ دو ہیں۔ "سندھیا اُوپاسن" اور "اگنی ہوتر" اس کے علاوہ ابھیاس وغیرہ فرائض میں داخل نہیں۔ بلکہ وہ تزکیۂ نفس کے لئے ہیں۔

سندھیا اُوپاسن کے ضروری ارکان سوامی دیانند کے الفاظ میں حسب ذیل ہیں:۔

(۱) آچمن۔ ہتھیلی میں اس قدر پانی لیا جائے کہ وہ حلق کے نیچے تک پہنچے۔ پانی اس سے نہ کم ہو نہ زیادہ۔ پھر ہتھیلی کے کنارے اور اس کے درمیانی حصے کو ہونٹ سے لگا کر آچمن کرے۔ اس سے حلق کا بلغم اور صفرا کسی قدر دفع ہوتے ہیں۔

(۲) اس کے بعد مارجن کرے یعنی درمیانی انگلی کی نوک سے آنکھوں وغیرہ اعضا پر پانی چھڑکے۔ اس سے سستی دور ہوتی ہے۔ اگر سستی اور پانی نہ ہو تو نہ کرے۔

(۳) اس کے بعد منتروں کو جپ کرتے ہوئے پرانایام کرے۔ سنا پر کرمن اور اوپستھان کے بعد پرمیشور کی استتی پراتھنا اور اوپاسنا کا طریقہ سکھانا چاہیئے۔ بعد ازاں اگھمرشن (گناہ کی خواہش نہ کرنا) کرے۔

ستیارتھ پرکاش

## اگنی ہوتر کے سامان

اگنی ہوتر کے متعلق سوامی جی ستیارتھ پرکاش میں یوں تحریر فرماتے ہیں۔

"اس کے لیئے کسی دھات یا مٹی کی ایک ویدی جو اوپر بارہ یا سولہ انگل چوکون ہو اور اتنی ہی گہری اور نیچے تین یا چار انگل کے اندازے کی ہو۔ اس میں چندن۔ پلاش یا آم وغیرہ عمدہ لکڑیوں کے ٹکڑے اسی ویدی کے اندازے سے بڑے چھوٹے کر کے رکھے اور اس کے درمیان میں آگ رکھ کر پھر اس پر لکڑیاں رکھ دے"۔

(۲) پھر وکھشنی پاتر (۳) پرنتیا پاتر اور ایک آجیہ استھالی (گھی رکھنے کا برتن) اور چمچہ سونے یا چاندی یا لکڑ کا بنوا لینا چاہیئے۔ پرنتیا پروکھشنی میں

پانی اور گھی کے برتن میں گھی رکھے اور گھی کو گرم کرے اور پھر ان منتروں سے ہوم کرے۔ ایسے ایسے اگنی ہوتر کے ہر ایک منتر کو پڑھ کر ایک ایک اہوتی دے اور اگر زیادہ اہوتی دینی ہوں تو اس منتر ........ اور گائیتری منتر مذکور سے اہوتی دیوے ⁛ (ستیارتھ پرکاش صـ۵۴-۱۲۶)

## سندھیا اور اگنی ہوتر کے اوقات

سندھیا اور اگنی ہوتر دونوں کے اوقات کے متعلق سوامی جی تحریر فرماتے ہیں ⁛

سندھیا اور اگنی ہوتر۔ صبح و شام دو ہی وقت میں کرے رات اور دن کے ملنے کے وقت دو ہی ہیں۔ تیسرا کوئی نہیں۔

## اگنی ہوتر کے فوائد

اگنی ہوتر کے فوائد کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

سب لوگ جانتے ہیں۔ کہ بدبودار ہوا اور پانی سے بیماری اور بیماری سے جانداروں کو تکلیف اور خوشبودار ہوا اور پانی سے تندرستی اور بیماری کے رفع ہونے سے راحت حاصل ہوتی ہے۔ یہ صرف آگ کی طاقت ہے کہ وہ ہوا اور بدبودار چیزوں کو ہلکا اور منتشر کر کے باہر نکال دیتی ہے۔ اور صاف ہوا کو اندر داخل کرتی ہے۔ منتروں میں وہ ہدایت موجود ہے۔ جس سے ہوم کرنے کے فوائد حاصل ہو جائیں۔ اور بوجہ دُہرائے

جانے کے منتر حفظ رہیں۔ ویدوں کا پڑھنا پڑھانا اور ان کی حفاظت بھی ہو۔

## اگنی ہوترہ کی مقدار

اگنی ہوترہ کی مقدار کے متعلق سوامی جی تحریر فرماتے ہیں۔

ہر ایک آدمی کو سولہ اہوتی اور چھ ماشہ گھی لینا چاہیئے۔

ہر ایک اہوتی کا اندازہ کم از کم چھ ماشہ ہونا چاہیئے اور جو اس سے زیادہ کرے تو بہت اچھا ہے۔

## اگنی ہوتر یا ہون کے مزید فوائد

دیانند جی نے اپنی کتاب بھومکا میں ہون کے فوائد ذرا زیادہ وضاحت کے ساتھ لکھے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اگنی ہوترا سے کہتے ہیں۔ جس میں اگنی یعنی پرمیشور کے نام پر پانی اور ہوا کو پاک وصاف کرنے کے لئے ہوتر یعنی ہون یا دان کیا جاتا ہے۔ خوشبودار مقوی شیریں اور عقل وشجاعت۔ استقلال اور قوت بڑھانے والی دافع مرض وغیرہ چیزوں سے ہون کرنے سے ہوا اور بارش کی صفائی ہوتی ہے۔ اور پانی اور ہوا کے پاک وصاف ہونے سے روئے زمین کی تمام چیزوں کی درستی ہو کر تمام چیزوں کو بڑا بھاری سکھ ہوتا ہے۔ اس لئے اگنی ہوترہ کرنے والوں کو ہر نیک کام کے

عوض میں نہائت اعلےٰ سکھ اور ایشور کا فضل و کرم حاصل ہوتا ہے۔ اور یہی اگنی ہوتر کرنے کا مقصد ہے ۔ (مجموعہ مکاتیب صفحہ ۱۰۶)

## پرانا یام کے فوائد

سوامی جی نے پرانا یام کے فوائد پر مستقل بحث کی ہے۔ ہم عام لوگوں کی آگاہی کے لئے اسے بجنسہ نقل کئے دیتے ہیں۔

"زور سے قے ہو کر کھایا پیا باہر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دم کو زور سے باہر نکال کر حسب طاقت باہر ہی روک دینا چاہئے۔ لیکن جب دم باہر نکالنا ہو تو۔ مول اندریہ (حواس خمسہ) کو اس وقت اندر کھینچے رکھنا چاہئے۔ جب تک کہ دم باہر رہتا ہے۔ اسی طریقے سے دم باہر زیادہ ٹھیر سکتا ہے۔ جب گھبراہٹ ہو تب آہستہ آہستہ ہوا اندر لے کر پھر جس قدر طاقت اور خواہش ہو ویسے ہی کرتا جائے اور من میں اوم کا جپ کرتا جائے۔ اسی طرح عمل کرنے سے آتما اور من کو پاکیزگی اور قیام ہوتا ہے۔ (ستیارتھ پرکاش صفحہ ۴۲)

## استتی کی تعریف

کسی چیز کے گن (ہنر۔ فائدے یا خوبی) اور دوش (نقصان عیب) کو بجا کرنا استتی کہلاتا ہے۔ یعنی جس چیز میں جو گن ہوں یا دوش ہوں ان کو ہو بہو بیان کرنا استتی کہلاتا ہے۔ مثلاً تلوار ہاتھ چھوڑنے پر

گھری کاٹ کرتی ہے۔ (تفسیر رگوید ادی بھاشیہ بھومکا صفحہ ۹۲)

## استتی کا فائدہ

استتی کا فائدہ بیان کرنے کے لئے سوامی جی نے خود رگوید کی عبارت پیش کی ہے۔ ہم بھی اسی کو نقل کئے دیتے ہیں۔

اس آفریدگار عالم۔ تجلی بخش کائنات کی ہر انسان کو خوب استتی (حمد و ثنا) کرنی چاہیئے۔ کیونکہ ایسا ہی کرنے سے اس پرمیشور کو پا سکتے ہیں۔

## اوپاسنا کی تشریح

اوپاسنا (عبادت) کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کسی پاک وصاف تنہائی کے سہانے مقام میں پاک دل سے طبیعت کو یکسو کرکے اندریوں (حواس) اور من (دل) کے قرار کے ساتھ اس ہست مطلق۔ عین علم۔ عین راحت سب کے دلوں میں موجود منتظم کل۔ منصف و عادل پرمیشور کا دھیان لگانا اور اپنی آتما کو اس کے ساتھ جوڑنا چاہیئے۔ (بھومکا صفحہ ۱۰۱)

## اوپاسنا کا فائدہ

جس قدر جسمانی و روحانی بیماریاں یا دیگر خلل ہیں۔ وہ سب ایشور کا دھیان کرنے سے جاتے رہتے ہیں۔ اور ایشور کے روروپ رہیت

کا بھی علم و درشن ہوتا ہے ÷ (بحوالہ مکالمات)

چونکہ میں سندھیا ادپاسن کے رکن اگھمرشن ۔ پیناپر کرمن اور ادپستھان اور پرانجلی کو ایک بے معنی چیز سمجھتا ہوں ۔ اور سوامی جی نے بھی ان کی کسی کتاب میں تشریح نہیں کی ہے ۔ اس لئے انہیں ترک کیا جاتا ہے اور جن جن باتوں کا اوپر ذکر آچکا ہے ۔ ان کو تنقیدی نظر سے دیکھا جاتا ہے ÷

مندرجہ بالا اصولوں کے متعلق آریہ دوست غور سے ان باتوں کو پڑھیں ۔ آچمن کے متعلق سوامی صاحب نے لکھا ہے کہ "حلق میں جو بلغم اور صفرا وغیرہ جم جاتا ہے ۔ یہ اسے دور کرتا ہے" ۔ اب اس کی مہملیت پر غور کرو ÷

(۱) ہر وقت حلق میں بلغم اور صفرا نہیں رہتا ۔ جس کے دور کرنے کے لئے سوامی جی نے یہ نسخہ تجویز فرمایا ۔ جب ہر وقت حلق میں بلغم اور صفرا نہیں رہتا ۔ تو یہ آچمن کوئی ضروری رکن باقی نہیں رہتا ۔ بلکہ وقتی ہو جاتا ہے ۔ یعنی یہ کہ جب بلغم اور صفرا حلق میں ہو تو آچمن کیا جائے ورنہ نہیں ÷

(۲) کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حلق میں بلغم اور صفرا زیادہ جمع ہو جاتا ہے اور آچمن کے پانی کی مقدار بہت کم ہوتی ہے ۔ اور ضرورت

اس بات کی ہے کہ اسے دفع کرنے کے لئے پانی زیادہ ہو۔ مگر سوامی جی تاکید فرماتے ہیں کہ ہتھیلی برابر سے زیادہ ہرگز نہ ہو۔ اب بتایئے کہ یہ دیانندی فلسفہ کہاں گیا ؟

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ جب آچمن بلغم و صفرا دور کرنے کا ایک نسخہ ہے تو اس مرض کے دوسرے نسخوں پر آچمن کو ترجیح کیونکر دی جاسکتی ہے۔ اور اگر نہیں دی جاسکتی۔ تو یہ اصول کسی عبادت کا رکن کیونکر بن سکتا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ بجائے آچمن کے کوئی اور نسخہ استعمال کر کے سندھیا شروع کی جائے اور جو نسخہ آچمن سے زیادہ بلغم و صفرا کے دور کرنے کے لئے مفید ہو اُس کو اختیار کیا جائے ؟

(۴) چوتھی بحث ان باتوں سے قطع نظر کر لینے کے بعد یہ ہے کہ آچمن بلغم و صفرے کا ایک دفعیہ ہے۔ تو وہ زیادہ سے زیادہ عبادت کا ایک بیرونی سامان ہو سکتا ہے جیسے غسل وغیرہ عبادت کا کوئی رکن نہیں ہو سکتا۔ مگر ہمارے سوامی جی آچمن سندھیا کا ایک جزو قرار دیتے ہیں ؟

(۵) پانچویں بحث یہ ہے کہ آچمن جو سندھیا اُپاسن کا ایک ضروری رکن ہے۔ بغیر پانی کے ادا نہیں ہو سکتا۔ فرض کرو کہ شام کے وقت جب کہ اسنان سندھیا کرنی فرض ہے۔ کوئی ایسی جگہ پر ہو۔ جہاں پانی نہ مل سکتا ہو۔ تو بتاؤ کہ وہ غریب سندھیا کرے یا نہ کرے۔ اگر کرتا ہے تو ایک رکن

آچمن رہ جاتا ہے۔ اور کسی رکن کے رہ جانے سے سندھیا نہیں ہو سکتی۔ اور اگر نہیں کرتا تو سندھیا ہی جیسا فرض رہا جاتا ہے۔

شاید کوئی آریہ صاحب یہ کہیں کہ جب پانی میسر نہ ہو تو سندھیا نہ کی جاوے مگر ہم یہ کہیں گے کہ ان کا یہ کہنا ذاتی کہنا ہوگا۔ کیونکہ سوامی صاحب نے اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ اگر لکھا ہے۔ تو ثبوت میں پیش کرو۔

(۶) چھٹی بات یہ ہے کہ پانی نہ ملنے پر آچمن کی کوئی قائم مقام ترکیب بتائی جاتی۔ جیسے پانی نہ ملنے پر وضو کی بجائے تیمم ہے۔ مگر افسوس کہ سوامی صاحب نے اس کے متعلق کچھ نہ لکھا سچ ہے مذہب تراشنا انسان کا کام نہیں اگر کہیں ویدوں میں اس کا ذکر ہو تو ثبوت پیش کرو۔

## مارجن

سندھیا کا دوسرا رکن مارجن ہے۔ جس کی فلاسفی سوامی جی کے الفاظ میں یہ ہے۔ کہ "اس سے سستی دور ہوتی ہے" مگر سناتن دھرمیوں کا اس کے متعلق سادہ خیال اور یقین یہ ہے۔ کہ "آنکھوں پر پانی چھڑکنے سے آنکھوں کے پاپ دور ہوتے ہیں۔ اور ان میں روحانی پوترتا پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دوسرے اعضاء پر چھڑکنے سے وہ اعضا پوتر اور گناہوں سے پاک ہو جاتے ہیں۔ اس سناتنی فلسفے اور یقین کے مقابلے

ہیں سوامی جی کا فلسفہ یقیناً بناوٹی ہے +

(۱) پہلی بات یہ ہے۔ کہ اتنے بڑے جسم کی سُستی ذرا سا پانی چھڑکنے سے اور وہ بھی اتنا ذرا سا کہ انگلی کی نوک اس کے چھڑکنے کے لئے بتائی گئی ہو۔ کیونکر دور ہو سکتی ہے۔ میرے خیال میں سُستی دُور کرنے کے لئے بجائے مارجن کے اشنان رکھا جاتا تو زیادہ قرین قیاس اور دل نشیں بات ہوتی۔ مگر مشکل یہ تھا۔ کہ ویدوں میں پہلے ہی یہ تجویز پاس ہو چکی تھی۔ سوامی جی اصلی تجویز میں تو ردّ و بدل کر نہ سکتے تھے۔ ورنہ وید اور ویدک مت دونوں کا خاتمہ ہو جاتا۔ ہاں اس کی فلاسفی میں تحویل کی گنجائش تھی۔ وہ آپ کر گذرے۔ اگرچہ ایسی خطرناک ٹھوکر کھائی کہ سنبھلنا مشکل ہو گیا +

(۲) دوسری بحث یہ ہے۔ کہ سوامی جی فرماتے ہیں۔ کہ "اگر سُستی نہ ہو تو مارجن نہ کرے" کاش آچمن میں بھی یہی کہ دیا ہوتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے اس کے متعلق اس لئے نہیں کہا کہ حلق میں بلغم اور صفرا ہر وقت کچھ نہ کچھ رہتا ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ سندھیا صبح دم اٹھنے کے بعد اور شام کو دن بھر تھکے ہارے ہونے کے بعد کی جاتی ہے۔ ان وقتوں میں اعضاء میں سُستی ہونا بھی ضروری ہے۔ خواہ وہ کسی قدر ہو +

# پرانایام

پرانایام کے فوائد سوامی جی کے الفاظ میں اوپر گزر چکے ہیں پرانایام کی مختصر تعریف "حبسِ دم" ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ اس کے کرنے میں فائدے کتنے ہیں۔ اور نقصانات کتنے۔ دوسری بات یہ ہے۔ کہ اس کا عمل کس قدر سہل ہے۔ آیا ہر شخص خواہ وہ کسی حیثیت کا ہو۔ اسے آسانی سے کر سکتا ہے۔ یا نہیں۔ یا یہ کہ ایک جوا ہے۔ جو بلا لحاظ خصوصیات ہر شخص کی گردن پر زبردستی رکھ دیا گیا ہے ❊

سوامی صاحب نے پرانایام کے جو فوائد تحریر فرمائے ہیں۔ وہ ذیل کے چند لفظوں میں بیان کئے جاتے ہیں۔ "پرانایام کرنے سے آتما اور من کو پاکیزگی اور قیام حاصل ہوتا ہے" ❊

اس فقرے سے دو فائدے سمجھ میں آتے ہیں۔ ایک قیام روح دوسرے لفظوں میں استقلالِ نفس یا اطمینانِ قلب کہنا چاہئے۔ دوسرے پاکیزگی جس سے مراد غالباً گندے خیالات سے پاک ہونا ہے۔ ان دونوں باتوں کے مفید ہونے میں تو کوئی شک نہیں۔ مگر غور طلب بات یہ ہے کہ پرانایام کرنے سے یہ فوائد حاصل بھی ہو سکتے ہیں۔ یا نہیں ❊

پہلا فائدہ آتما کو قیام یا اطمینانِ قلب اگر ڈاکٹری اصول سے دیکھا جائے تو ہمیں امید ہے کہ یہ ثابت ہو جائے گا کہ اس سے پرانایام کے عمل

سے کوئی لگاؤ نہیں۔ بلکہ اس سے وہی نسبت ہے۔ جو آگ کو خنکی سے اور پانی کو گرمی سے ہے۔

طب کا یہ مسلّمہ اور بنیادی مسئلہ ہے۔ (جس کے لئے غالباً کسی شہادت کی ضرورت نہیں۔ کہ پوری پوری تندرستی اسی وقت تک قائم رہ سکتی ہے۔ جب تک کہ تمام اعضاء اور تمام قوتیں اپنی اصلی اور فطری حالت پر قائم رہیں۔ لیکن اگر اعضاء اپنی اصلی حالت پر قائم نہ رہیں یعنی ان سے ایک خاص اور مناسب مقدار سے زیادہ کام لیا جائے۔ یا کم۔ تو ان میں خرابی اور خلل پیدا ہو جائے گا۔ اور پھر رفتہ رفتہ پورے جسم کی صحت خراب ہو جائے گی۔ اور جب صحت خراب ہو گئی۔ تو روح ہرگز مطمئن و سکون پذیر نہیں رہ سکتی۔

اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ کہ پرانایام کرنے میں اعضاء کی تمام قوتیں اور ان کا صحیح فعل اپنی اصلی حالت پر قائم رہتا ہے۔ یا نہیں مگر افسوس اس کا جواب ہمیں ہر صورت سے نفی میں ملتا ہے۔ کیونکہ سانس کا روکنا خصوصاً زیادہ دیر تک اس بات کا ثبوت ہے۔ کہ اس سے ایک عضو اپنے کام سے معطل ہو جاتا ہے۔ اور اپنی اصلی حالت پر قائم نہیں رہتا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ جسم کی تندرستی گھٹنے لگتی ہے۔ اور بیماری خواہ خفیف ہی کیوں نہ ہو۔ پیدا ہو کر روح کو

بے چین و مضطرب کر دیتی ہے *

طبی حیثیت سے سانس روکنے کا جو خاص نقصان ہے۔ وہ اس مسئلہ کو اور بھی زیادہ صاف کر دیتا ہے۔ ہم کو طلب میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ قدرت نے سانس لینے کی دو غرضیں رکھی ہیں۔ اوّل یہ کہ جسم کے اندر کی خراب اور زہریلی ہوا مُنہ کے راستے سے باہر نکل جائے۔ اور یہ غرض اُوپر کی سانس سے پوری ہوتی ہے۔ دوسری غرض یہ ہے کہ باہر کی تازہ ہوا اندر آتی رہے۔ اور یہ کام اندر کی سانس سے حاصل ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ اگر ان دونوں سانسوں کا سلسلہ برابر جاری نہ رہے۔ تو زندگی محال ہو جائے گی۔ اس لئے کہ اُوپر والی سانس کے رُک جانے سے اندر کی زہریلی ہوا اندر ہی اندر گردش کرتی رہے گی اور جب رُوح کو کسی طرف سے کوئی مدد نہ پہنچے گی۔ تو اسی زہریلے فاسد مادے میں گھٹ کر ختم ہو جائے گی۔ نیچے کی سانس کے رُک جانے کا یہ اثر ہوگا کہ باہر سے صاف ہوا کی درآمد بالکل بند ہو جائے گی۔ اور اندر کی ہوا زیادہ کاربن کی وجہ سے آلودہ ہو کر رُوح کو ہلاک کر دے گی۔ یہ طبی قاعدہ جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔ صاف صاف یہ ہدایت کرتا ہے۔ کہ سانس کا رُکنا خواہ وہ تھوڑی دیر تک ہو یا بہت عرصے تک جسم و رُوح کو سخت نقصان پہنچاتا ہے۔ اور ہوا جس قدر زیادہ دیر تک روکی جائے گی۔ اُسی قدر زیادہ

نقصان ہوگا +

اس کی ایک عام اور کھلی ہوئی شہادت یہ ہے - کہ جس وقت ہم سانس روکتے ہیں - اسی وقت سے ہمیں تغیر شروع ہو جاتا ہے - اور رفتہ رفتہ بڑھتا چلا جاتا ہے - یہاں تک کہ جب زیادہ عرصہ گزر جاتا ہے تو وہ درد جو پہلے میٹھا میٹھا سا معلوم ہوتا تھا - اب تیز ہونا شروع ہو جاتا ہے - اور روح کی بے چینی اس قدر سخت ہو جاتی ہے - کہ اگر ہم تھوڑی دیر بعد سانس روکیں تو دم گھبرا کر نکل جائے +

خاص اور عام دونوں قاعدوں سے یہ بات ثابت اور پختہ ہو جاتی ہے کہ سانس روکنے کا عمل بجائے فائدے کے نقصان پہنچاتا ہے - اس لئے پرانایام کے متعلق یہ کہنا کہ وہ روح کو قائم اور مطمئن کرتا ہے - غلط ہو جاتا ہے +

اگر کوئی صاحب اس کے جواب میں یہ مشاہدات پیش کریں کہ ہزاروں سادہو اور یوگی نہایت قوی الجثہ اور تندرست دیکھے جاتے ہیں - تو میں کہوں گا کہ انہوں نے اس کی حقیقت جاننے کی کبھی بھی کوشش نہیں کی - اور وہ سخت مغالطے میں رہے - ہمیں یہ تسلیم ہے - کہ سادہو اور یوگی عموماً قوی الجثہ اور تندرست ہوتے ہیں - مگر ہم یہ کیونکر یقین کرلیں کہ

پرانا یام کوئی نقصان کی چیز نہیں+

میں سوال کرتا ہوں۔ کہ کیا شراب نقصان کی چیز نہیں ہے؟ اس پر ڈاکٹری اور یونانی دونوں کو اتفاق ہے۔ کہ شراب سے پھیپھڑا۔ جگر اور دماغ خراب ہو کر تندرستی بگڑ جاتی ہے۔ جس کے روکنے کے لئے یورپ اور ہندوستان میں ہزاروں اور لاکھوں ٹمپریس سوسائیٹیز قائم ہیں۔ اور کوشش کر رہی ہیں۔ کہ کسی طرح اس بلا کو دور کیا جائے۔ مگر ہم ہزاروں اور لاکھوں شراب خوار انگریزوں اور ہندوستانیوں کو دیکھتے ہیں۔ کہ وہ نہائت تنومند اور تندرست ہیں۔ تو کیا کوئی احمق یہ کہ سکتا ہے۔ کہ ان لوگوں کو شراب نے نقصان نہیں پہنچایا۔ اور ان کے لئے شراب حلال ہے۔ کیا تم سنکھیا اور زہر کو انسانی زندگی و صحت کا دشمن نہیں سمجھتے۔ مگر بہت سے تو سنکھیا کھانے والے ایسے بھی موجود ہیں۔ جو نہائت سرخ و سفید۔ قوی اور تندرست دکھائی دیتے ہیں۔ تو کیا تم یہ تسلیم کر لوگے کہ سنکھیا کوئی نقصان کی چیز نہیں۔ پھر بتاؤ۔ کہ ہم چند ساد ہوؤں۔ سنیاسیوں کو قوی و تندرست دیکھ کر کس طرح یقین کر لیں۔ کہ پرانا یام فی نفسہ کوئی مضر عمل نہیں+

بادی النظر میں اگر کوئی مضر چیز اپنا برا اثر کرتی ہوئی نہیں معلوم ہوتی تو اس کی اصلی وجہ یہ ہے۔ کہ دنیا میں جہاں بعض چیزیں

مضر ہیں۔ وہیں بعض دوسری چیزیں ان کی اصلاح کے لئے بھی موجود ہیں۔ جنہیں طبی اصطلاح میں "مصلح" کہتے ہیں۔

یہ مشہور بات ہے کہ چائے خشکی کرتی ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی مسلّم ہے کہ دودھ اُس خشکی کو دفع کرتا ہے۔ زہر نقصان پہنچاتا ہے۔ مگر تریاق اس کے اثر کو زائل کر دیتا ہے۔ بعینہٖ شراب اور سنکھیا مضر چیزیں ہیں اور ان سے تمام لوگوں کو بلا تخصیص نقصان پہنچتا ہے۔ مگر جو لوگ اُن کے بُرے اثرات سے محفوظ نظر آتے ہیں۔ وہ ان کے "مصلحات" استعمال کرتے ہیں۔ اور ان مصلحات کی مقدار اتنی زیادہ ہوتی ہے۔ کہ وہ اُن نقصانات پر غالب آجاتے ہیں۔ اس کے باوجود یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ دونوں چیزیں فی نفسہٖ مضر نہیں ہیں۔ اور نہ عام لوگوں کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ بعینہٖ یہی حالت پرانایام کی ہے۔ کہ جب عقلی طور پر اس کا مضر ہونا پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا۔ اور بعض حالتوں میں اس سے نقصان کا اظہار ہوا۔ تو پھر یقیناً یہ شراب اور سنکھیا کی طرح مضر ہے۔ اور جو باتیں اس کے خلاف پیش کی جاتی ہیں۔ وہ بجنسہٖ ان شراب نوشوں اور سنکھیا خواروں کی مثالیں ہیں۔ جو کسی خاص وجہ سے ان کے مضر اثرات سے بچے ہوئے ہیں۔

اب تم پرانایام کے کرنے والے سادھوؤں اور سنیاسیوں کی آزاد

زندگی پر نظر ڈالو۔ کہ ان کے لئے پرانا یام کے کس قدر "مصلحات" موجود ہیں اور یہ آزاد منش گروہ اپنی طاقت اور تندرستی کے لئے کیسے کیسے بہترین ذرائع مہیا رکھتا ہے۔ غذا کا تو کہنا ہی کیا جس کے دروازے پر پہنچ گئے۔ وہیں یگیہ (مسافر نوازی) کے نیم (قانون) کی بدولت دودھ اور گھی کی نہریں بہا دیں۔ پھل اور میوہ جات تو کسی شمار ہی میں نہیں اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے۔ کہ نہ گھر گرستی کی فکر۔ نہ بال بچوں کا غم۔ نہ کمانے کی محنت۔ نہ بچانے کی پرواہ۔ جس کے دروازے پر پہنچے۔ بے فکری سے کھایا پیا۔ اور پر میشور کی بھگتی میں مست سو رہے اگر ان کی آج آب وہوا پر غور کیا جائے تو یہ اس کے بادشاہ ہیں "نت نئے دانے" "نت نئے پانی" کے سنہرے قاعدے پر ان کا عمل ہے۔ جس گاؤں میں پہنچے کھلے ہوئے میدانوں میں گھنے درختوں کے نیچے آسن جمایا اور اگر گاؤں کے اندر بھی رہے تو کھلے ہوئے مقامات میں ان کا مرگ چھالا بچھایا گیا۔ اور اوپر سے پنکھوں کی جو بوچھاڑ کی گئی وہ الگ رہا۔ غم والم تو اس کا وہاں گزر ہی نہیں۔ ہے ہی کون جس کا غم انہیں کھائے۔ اور جس کی فکر انہیں ستائے ۔

ہم نے یوں تو بہت سے سادھو دیکھے اور سنے ہیں۔ مگر دور کیوں جائیں۔ خود سوامی دیانند جی کو لیجئے۔ سُنا ہے کہ وہ پرانا پام اور آیوگ

اللباس کے عادی تھے۔ جس کے لئے یہ سامان تھا کہ علاوہ مقوی غذاؤں کے کئی کئی سیر دودھ کئی سیر شکر ڈال کر نوش فرمایا کرتے تھے۔ اور جہاں جاتے تھے۔ دریا کے کنارے کھلی ہوئی جگہ میں آسن جماتے تھے*

اب غور کرو کہ ان بزرگوں کی جب تندرستی اور طاقت کے ایسے ایسے ذرائع اور وسائل میسر ہوں تو صبح و شام دو وقت کے پرانایام سے انہیں کیا نقصان پہنچ سکتا ہے۔ یا اس کے نقصانات کیونکر ظاہر ہو سکتے ہیں۔ اب غالباً یہ مسئلہ بالکل صاف ہو گیا۔ جس کے بعد کوئی ذی عقل یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ فی الحقیقت پرانایام کوئی مفید چیز ہے۔ اور اس کے کرنے سے ان لوگوں کو جنہیں راحت و آرام میسر نہیں (اور ایسوں ہی سے دنیا بھری ہوئی ہے) کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ نہیں نہیں بلکہ عام مخلوق الہٰی شراب اور سنکھیا کی طرح اس سے بھی ہلاک ہو جائے گی۔ اور اس کا عمل یقیناً مہلک امراض کا سبب ہوگا*

## استتی کی حقیقت

سندھیا کا چوتھا رکن استتی ہے جس سے مراد خدا کی حمد و ثنا کرنا ہی یہ عمل جیسا کہ تمام مذاہب کی عبادتوں میں مشترک ہے۔ ویسا ہی عبادت کی روح رواں بھی ہے۔ جس سے کوئی شخص اس کی معقولیت

میں ایک لمحہ بھی پس و پیش نہیں کر سکتا۔ سوامی صاحب نے اس کا جو سب سے بڑا فائدہ بیان کیا ہے۔ وہ بھی سب مذہبوں میں یکساں پایا جاتا ہے۔ یعنی یہ کہ "اس سے پرمیشور کو پا سکتے ہیں"۔ مگر جب ہم اُسے آریہ سماج کی دوسری تعلیمات پر جانچتے ہیں۔ تو یہ مفید اصول بھی بے کار ہو جاتا ہے۔

تناسخ کی وجہ سے اصول سماج میں یہ بات داخل ہے۔ کہ کوئی شخص موجودہ زندگی میں گذشتہ زندگی کے برخلاف کم و بیش کچھ نہیں پا سکتا۔ اسی اصل کی ایک شاخ یہ ہے۔ کہ "خدا بندوں کے گناہ بالکل نہیں معاف کرتا۔ ورنہ خدا پر بے انصافی کا الزام قائم ہو جائے گا"۔ چنانچہ اسی بنیاد پر آریہ حضرتِ اسلام پر یہ حملہ کیا کرتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کا خدا بے انصاف ہے۔ جو گناہوں کو معاف کر دیا کرتا ہے۔ سماج میں یہ بات بھی مسلمات میں سے ہے۔ کہ "انسان اپنے کاموں میں بالکل مختار ہے"۔ خدا نہ خود کسی کی نیکی میں مدد کرتا ہے اور نہ کسی کو بدی کی طرف مائل کرتا ہے۔ انسان بالکل آزاد ہے۔ وہ چاہے نیکی اختیار کرے یا بدی۔ چاہے وہ گوشہ جمود و خمول میں چپ چاپ بیٹھا رہے۔ چاہے خدا کی تعریفوں اور شکریوں کی چیخ و پکار سے فضائے کائنات میں ہلچل ڈال دے۔ مگر خدا کسی طرح بھی اس کی

مدد نہیں کر سکتا۔

اس اصول کی بنا پر استتی ایک بے کار چیز ثابت ہوتی ہے۔ اور اس کی ضرورت محض فرضی۔ گویا استتی خود تو عمدہ چیز ہے۔ مگر تناسخ اور خدا سے بے تعلقی کے مسائل اسے بھی اپنے رنگ میں لاکر بگاڑ ڈالتے ہیں۔ یعنی یہ کہ جب آریہ سماج کے عقیدے کے موافق خدا کسی کے گناہ معاف نہیں کر سکتا۔ اور اگر وہ کرے تو بے انصاف ہو جائے۔ اس لئے پراتھنا دعا کرنی بے کار ہے۔ کیونکہ نہ خدا گناہ معاف کر سکتا ہے۔ اور نہ کسی کی کچھ مدد کر سکتا ہے۔

غرض کہ اس تمام بحث کا حاصل یہ ہے۔ کہ سندھیا کے اکثر ارکان یا تو عبادت کے نقطۂ خیال سے ٹھیک ثابت نہیں ہوتے اور ان میں عبادت کی اصلی غرض مفقود ہے یا وہی پرانے توہمات ہیں۔ جن کی کوئی حقیقت نہیں۔

# سوامی دیانند کا فلسفہ

## گرم ملکوں میں بال کا صفایا

گرم ملکوں میں بالوں کے ساتھ ہی چوٹی بھی صاف کرا دینی چاہیئے۔ کیونکہ سر میں بال ہونے سے گرمی زیادہ معلوم ہوتی ہے اور اس سے عقل کم ہو جاتی ہے۔

(ستیارتھ پرکاش صفحہ ۲۵۸)

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سوامی نے غریب عورتوں کو کس خطا کی پاداش میں اپنے مذہب سے نکال دیا۔ اور اس مفید حکم میں ان کو شامل نہ کیا۔ گرمی اور سردی کا احساس مرد و عورت دونوں کو یکساں ہوتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ مردوں کے لئے تو سوامی جی نے عقل بڑھانے کا یہ نسخہ تجویز فرمایا۔ اور غریب عورتوں کو اسی عذاب و کم عقلی میں چھوڑ دیا۔ کیا انصاف و مساوات یہی ہے۔ اور اس میں اس جنسِ لطیف کی کوئی ذلت و توہین نہیں؟

## آریہ مذہب امرائے کے لئے ہے

سوامی جی فرماتے ہیں۔ کہ جب کوئی شخص مرجائے تو اس کو جلانے کے لئے اسی کے برابر گھی۔ کافور اور صندل نے۔ اگر یہ نہ ہوسکے تو کم از کم بیس ۲۰ سیر گھی ضرور ہونا چاہیئے۔

(ستیارتھ پرکاش صہ ۱۲۱)

اب غور فرمائیے کہ سوامی جی کے اس مذہبی حکم پر عام لوگ عامل ہوسکتے ہیں۔ میرے خیال میں سوائے بڑے بڑے امیر آدمیوں کے ایک متوسط الحال شخص بھی اس پر عمل نہیں کرسکتا اور مذہبی حکم وہی ہوسکتا ہے جس پر امیر و فقیر دونوں عمل کرسکیں +



# ویدوں کے متعلق

## ہندو بزرگوں اور اوتاروں کی رائے

### شری کرشن جی مہاراج کی رائے

شری کرشن جی مہاراج جو ہندوستان کے پیغمبر اور خدا کے اوتار مانے جاتے ہیں۔ اور بے شک وہ ہندو مذہب کے ایک مضبوط ستون ہیں۔ ویدوں کے متعلق اپنی کتاب گیتا میں ارجن کو مخاطب کرتے ہوئے اس طرح لکھتے ہیں۔

"ہے ارجن تینوں ویدوں کو تیاگ کر کے میری طرف آجا۔ کیونکہ ان تینوں ویدوں کی تعلیم جو تمو۔ ستو اور رجو گنوں سے پیدا ہوتی ہے میں اس سے بہت بلند ہوں"۔

## بابا تلسی داس جی مصنف رامائن کی رائے

ہندو مذہب کا یہ عالم اجل اور فاضل اکمل جس کی رامائن آج بھی ہندوستان کے گوشے گوشے میں نہایت احترام کے ساتھ پڑھی جاتی ہے کرشکن بال کانڈ میں اس کی مہملیت کا یوں راز فاش کرتا ہے۔

چرت سندھ گرجا رمن وید نہ پاویں پار
برنوں تلسی داس کم اَت مت مند گوار

یعنی جب وید شوجی اور پاربتی تک کی تعریف کرنے سے قاصر ہیں تو انہیں الہامی کس طرح کہ سکتے ہیں۔"

## شری گرو نانک دیو جی مہاراج کی رائے

یہ صوفی منش اور سکھ جماعت کا جلیل القدر پیغمبر و مصلح ویدوں کے متعلق کہتا ہے۔

پڑھ پڑھ پنڈت منی تھکے ویدوں کا ابھیاس
ہر نام چت نہ آوے نہ نج ہووے داس

توضیح - بڑے بڑے رشی اور منی ویدوں کو پڑھتے پڑھتے تھک گئے۔ لیکن انہیں ان کے پڑھنے سے موکش (مکتی) حاصل نہ ہوئی۔"

## برہسپتی جی کی رائے

یہ سنسکرت کے مسلّم استاد اور ایک زبردست عالم تھے۔ جن کی بزرگی

اور علم و فضل آج تک ہندوؤں میں مسلّم ہے۔ ویدوں کے متعلق فرماتے ہیں۔

وید کے بنانے والے بھانڈ۔ دہورت اور نشاچر یعنی راکشش یہ تینوں ہیں۔ جپھرپری۔ ترپھری وغیرہ پنڈتوں کی مکر کی باتیں ہیں۔ دیکھو دہورتوں کی کاروائی کہ گھوڑے کے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کو عورت پکڑے۔ کی عورت کا اس کے ساتھ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کروانا۔ اور لڑکی سے مذاق کرنا وغیرہ جو لکھا ہے۔ وہ دہورتوں کے سوا اور کسی کا کام نہیں ۔

(ستیارتھ سمولاس ۱۲)



# اگنی ہوتر کی حقیقت

ویدک دھرم کی پہلی عبادت سندھیا کا ریویو ختم ہو چکا۔ اب دوسری عبادت "اگنی ہوتر" کی بلا کسی طرفداری و تعلق کے تنقید کی جاتی ہے۔ ہماری دعا ہے۔ کہ خدا ہمیں سچائی و انصاف کی ہدایت دے۔ اور ناظرین کو غور و بے تعصبی کی۔

اگنی ہوتر سندھیا کی طرح تمام انسانوں پر بلا کسی رعایت کے یکساں فرض ہے۔ لیکن اگر اس فرض کے ادا کرنے کے مصارف پر غور کیا جائے اور دیکھا جائے۔ کہ آیا اس فرض کو بلا امتیاز امیر و غریب ہر شخص آسانی سے ادا کر سکتا ہے؟ تو بیچارے غریب مزدور جن کی آمدنی ۳ ریاں یومیہ ہے۔ اس سے قاصر نظر آتے ہیں +

اب یہ سوال ہے۔ کہ آیا ایسی عبادت اور ایسا فرض جسے بیچارے غریب ادا نہ کر سکیں۔ خدا کی طرف سے ہو سکتا ہے۔ یہی ایک ایسا

عتراض ہے۔ جو مسلمانوں کی طرف سے اکثر پیش کیا جاتا ہے۔ اور
بجھ میں نہیں آتا کہ آریہ سماج اس کا کیا جواب دے سکتا ہے۔ اب ہم
دیکھنا چاہتے ہیں۔ کہ اگنی ہوتر کو عبادت میں بھی شامل کر سکتے ہیں۔
نہیں۔ آسان اور سخت ہونا تو ایک بعد کی چیز ہے۔ اور یہی اس بحث
ی جان ہے جس کا مطالعہ ذرا غور سے کیا جائے۔

کسی عبادت کی جانچ کے لئے سب سے بڑا معیار یہ ہے کہ سب
سے پہلے اس کے ارکان کو دیکھا جائے۔ کہ وہ بلا تحویل سادہ طور سے اس
مقصد پر دلالت کرتے ہیں یا نہیں۔

پہلی صورت میں عبادت کا اس مقصد کے لئے موزوں ہونا ثابت
ہوگا۔ اور دوسری صورت میں یہ ثابت ہوگا۔ کہ معاملہ برعکس ہے۔ اس
ئے ہمیں سب سے پہلے اگنی ہوتر کو دیکھنا چاہیئے۔ کہ وہ کیا کہ رہے
ہیں۔

اگنی ہوتر کے (اختصاراً) دو جزو ہیں۔ ایک اہوتی دینا یعنی کچھ چیں
ی وغیرہ رکھ کر آگ میں ڈالنا اور (دوسرے منتر جپ کرنا۔

سوامی جی کے نزدیک اس کا مقصد ہوا کو صاف کرنا ہے۔ اگر یہ بات
کٹری کی کسی کتاب میں حفظانِ صحت کے موضوع پر ہوتی تو ہم اُسے
ا تامل تسلیم کر لیتے۔ مگر مشکل یہ ہے۔ کہ یہ عمل ایک الہامی کتاب کی

طرف سے بطور عبادت کے پیش کیا جاتا ہے۔ اور ہم یہ دیکھتے ہیں۔ کہ اسے عبادت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ البتہ محکمۂ حفظان صحت سے ضرور اس کا تعلق ہے۔ کیا آریہ سماج میں جمناسٹک۔ کرکٹ۔ فٹ بال کشتی اور مگدر بازی وغیرہ بھی عبادت ہی میں شامل ہیں۔ اس لیے کہ اگر ہون سے ہوا صاف ہو کر تندرستی حاصل ہوتی ہے۔ تو ان چیزوں سے بھی انسان تندرستی اور طاقت حاصل کرتا ہے۔ غالباً ہمارے دوست آریہ سماج ان تمام ورزشوں کو عبادت نہ تسلیم کریں گے۔ ممکن ہے وہ یہ کہیں کہ ہون میں منتروں کا جپ بھی کیا جاتا ہے۔ اور کشتی وغیرہ اس سے خالی ہیں۔ تو میں کہوں گا۔ کہ اگر کشتی وغیرہ میں بھی منتر پڑھے جائیں۔ تو کیا وہ عبادت بن جائے گی؟

ہون کے متعلق سوامی جی نے سب سے بڑا فائدہ یہ بیان کیا ہے کہ اس سے ہوا صاف ہوتی ہے۔" مگر یہاں پر ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے۔ کہ جن مقامات کی ہوائیں قدرتی طور پر صاف اور پاکیزہ ہیں (جیسے سبزہ زاروں اور کہسار وغیرہ کی) تو کیا وہاں بھی ہوا صاف کرنے کی ضرورت ہے۔ میرے خیال میں اگر سوامی صاحب کی یہ تجویز وہاں کے لوگوں کے سامنے پیش کی جائے۔ جو ایسی لطیف و پاکیزہ ہوا میں سانس لیتے ہیں۔ تو خدا جانے ان کے غصے کی کیا حالت ہو۔ اور سوامی جی کے

ساتھ کیا گستاخی کریں۔

تیسری بات یہ ہے۔ کہ جب ہون ہوا کی صفائی کے لئے مقرر کیا گیا ہے تو پھر صبح وشام کی قید نہ ہونی چاہئے تھی۔ تاکہ جب کوئی آریہ ہوا میں گندگی زیادہ دیکھتا۔ تو اسی وقت ہوا کو صاف کرنے کے لئے ہون کر لیتا اب یہ وقت خواہ دوپہر کا ہوتا یا سہ پہر کا یا آدھی رات کا۔ کیونکہ یہ ٹھیکہ تو کسی نے لیا نہیں ہے۔ کہ صرف صبح وشام دو ہی وقت گندگی ہوتی ہے مگر ہمارے سوامی جی نے وقت مقرر کر کے ایک اور زبردست ٹھوکر کھائی اور اس کی فلاسفی بیان کر کے تو اپنی حقیقت کو بالکل ہی بے نقاب کر دیا۔ فرماتے ہیں۔

"سندھیا اور اگنی ہوتر صبح اور شام دو ہی وقت میں کرے۔ رات اور دن کے ملنے کے دو ہی وقت ہیں۔ تیسرا کوئی نہیں۔ (ستیارتھ پرکاش صفحہ ۵۹) سمجھ میں نہیں آتا کہ ان اوقات کو ہون کے اصلی مقصد سے کیا لگاؤ ہے۔ مانا کہ صبح وشام میں سب سے بڑا نکتہ یہ ہے۔ کہ اس میں دن اور رات کا ملاپ ہوتا ہے۔ مگر ہوا کی صفائی کو اس سے کیا مطلب اگر یہی بے اصولی ہے۔ تو ایک شخص دوپہر اور آدھی رات کو ہون کرنا تجویز کرتا ہے۔ اور وجہ یہ بیان کرتا ہے۔ یہ وقت دن اور رات کے ٹھیک وسط میں واقع ہوتے ہیں۔ اور ایسا کوئی دوسرا وقت نہیں ہے تو ہمارے

آریہ دوست اسے کیا جواب دیں گے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹری میں ہوا کی صفائی کے بہت سے طریقے بتائے گئے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ ویدوں نے ان طریقوں کو عبادت میں داخل نہیں کیا۔ حالانکہ اگر وہ طریقے ہون سے کم مفید بھی ہوں (ایسا نہیں ہے) تو جب بھی وہ عبادت میں داخل کئے جانے کے قابل ضرور تھے۔ گو چھوٹی ہی عبادتیں سہی۔ اس لئے کہ اگر یہ سب طریقے عبادت میں داخل کر دئے جاتے۔ تو لوگوں کو بہت آسانی ہوتی۔ اور جو جس عبادت کے قابل ہوتا۔ اُسے تعین وقت انجام دیتا۔ ورنہ بہت سے ایسے مواقع ہیں۔ جہاں گھی اور ہون کا دوسرا سامان نہیں مل سکتا۔ قطع نظر ان تمام باتوں کے ہم یہ تسلیم کئے لیتے ہیں کہ ہون سے ہوا صاف ہو سکتی ہے۔ مگر سوال یہ ہے۔ کہ ہون کی وہ مقدار جو بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ ہوا کے کس قدر حصے کو صاف کر سکتی ہے؟ اور وہ صفائی کتنی دیر تک قائم رہ سکتی ہے۔ کیونکہ وہ گندگیاں اور آلائشیں جن سے شہر بھر کی ہوا خراب اور گندی ہو رہی ہے ہون کی معمولی مقدار سے ہرگز دور نہیں ہو سکتی۔ ممکن ہے کہ مکان کے صحن کی ہوا ہون کرنے سے دو ایک منٹ کے لئے صاف ہو جائے۔ مگر ہوا کا ایک ہی جھونکا اسے خدا جانے کہاں سے کہاں اڑا لے جائے گا۔ اور ہوا پھر اسی طرح گندی کی گندی رہ جائے گی اور بیچارہ ہون کرنے والا اپنی اس محنت کے رائیگاں ہونے پر افسوس کر کے رہ جائے گا۔

# ابطالِ تناسخ

اہل تناسخ کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ روحیں ہمیشہ سے اواگون کے چکر میں پھنسی ہوئی ہیں۔ اور ہمیشہ پھنسی رہے گی۔ اسی وجہ سے وہ رُوح اور مادہ کو قدیم یعنی ازلی و ابدی مانتے ہیں۔ لیکن اہل اسلام رُوح اور مادے دونو کو مذہبی طور پر حادث و فانی جانتے ہیں۔ یہ کیوں؟ اس کا ثبوت ذیل کی دلیلوں سے ملے گا۔

## قدیم کو کامل ہونا لازم ہے

جو شے قدیم واجب الوجود اور مستقل بالذات ہو (یعنی آپ سے آپ ہو) اور اپنے وجود میں کسی دوسری شے کی محتاج نہ ہو۔ ضروری ہے کہ وہ شے کامل بھی ہو۔ اور اس میں کسی طرح کا نقص نہ ہو۔ کیونکہ اس کے متعلق دو صورتیں خیال میں آتی ہیں۔

۱۔ یا تو وہ نقص اس قدیم شے نے اپنے وجود کے ساتھ خود

اختیار کر لیا ہے۔

ب۔ یا کسی غیر کی طرف سے اس کے وجود میں رکھا گیا ہے۔

صورت اوّل بدیہی البطلان ہے۔ جو شے قدیم بالذات ہو وہ اپنی ذات میں کسی قسم کا نقص از خود قبول نہیں کر سکتی۔ اس لئے صورت دوم کا تسلیم کرنا ضروری ہوا کہ وہ نقص اس شے میں کسی غیر کی طرف سے ہے۔

اب وہ غیر جو اس ذات میں نقص پیدا کر سکے ضروری ہے۔ کہ خود کامل بالذات ہو۔ اگر اس سے کامل تر کوئی اور ذات مانی جائے گی۔ تو یہ سلسلہ برابر جاری رہے گا۔ اور تسلسل جس کو سنسکرت میں "ان اوستھا دوش" کہتے ہیں۔ لازم آئے گا۔ جو سراسر باطل ہے۔ اس لئے یہ سلسلہ کسی ایسے کامل بالذات پر ختم ہو گا۔ جو تمام کمالات کا جامع ہو۔

۲۔ روح اور مادہ کے نقائص بدیہی ہیں۔ مثلاً روح کی حالت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ روح کے علوم میں بتدریج ترقی ہوتی ہے۔ جسمانی علامات سے اس کے افعال میں فرق پڑ جاتا ہے۔ اس کی قوتیں مثلاً حافظہ وغیرہ کمزور ہیں۔ اور اس کا علم محدود ہے۔ اسی طرح مادے کی کیفیات پر نظر ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مادہ بے جان و بے شعور ہے۔ اس میں تغیر و تصرف کیا جا سکتا ہے۔ اور سب سے

بڑی بات یہ ہے۔ کہ خود اسے اپنی ہستی کا کوئی علم نہیں +

## قدیم کو غنی بالذات ہونا چاہیئے

جو شے قدیم ہو یعنی اپنی ذات، اپنے وجود و بقا میں غیر کی محتاج نہ ہو اس کو اپنی صفات میں بھی غیر کی احتیاج نہ ہونی چاہیئے +

اگر روح اور مادہ قدیم ہوتے تو ان کو ایک دوسرے کی طرف کوئی احتیاج نہ ہوتی۔ مگر ہم دیکھتے ہیں۔ کہ روح محتاج ہے مادے کی۔ اور مادہ محتاج ہے روح کا۔ روح بغیر مادے کے عمل نہیں کر سکتی۔ اور مادے کے اکثر خواص روح کے بغیر ظاہر نہیں ہوتے مثلاً معدہ۔ جگر۔ قلب۔ آنکھ ناک۔ کان وغیرہ جسمانی اعضاء بغیر روح کے اپنا کوئی فعل انجام نہیں دے سکتے +

یہ باہمی احتیاج ایک نقص ہے۔ اور بموجب دلیل نمبر ۹ کوئی ناقص شے قدیم نہیں ہو سکتی۔ لہذا روح اور مادہ دونوں حادث ہیں +

## دو یا دو سے زائد چیزوں کا قدیم ہونا محال ہے

اگر دو یا دو سے زیادہ چیزوں کو انادی (قدیم) اور واجب الوجود مان لیا جائے تو ان میں سے کوئی بھی قدیم نہیں رہ سکتی۔ چونکہ یہ مسئلہ کسی قدر مشکل ہے۔ اس لئے سادہ اور آسان لفظوں میں سمجھئے۔

دو چیزیں دو اس وقت کہی جا سکتی ہیں۔ جبکہ ان میں کوئی بات

ایسی ہو جو دونوں میں پائی جاتی ہو۔ اور کوئی ایسی بات بھی ہو جو ایک میں موجود ہو۔ اور دوسری میں موجود نہ ہو۔ جس سے ان دونوں چیزوں میں فرق کیا جا سکے۔

امر مشترک کو "مابہ الاشتراک" اور امر فاروق کو "مابہ الامتیاز" کہتے ہیں مثلاً انسان اور حیوان میں حرکت ارادی کو "مابہ الاشتراک" اور نطق کو "مابہ الامتیاز" کہیں گے۔

اگر روح اور مادے کو قدیم مانا جائے۔ تو ان میں بھی یہ دونوں باتیں ہونی چاہیئں۔ یعنی ہر ایک کا "مابہ الاشتراک" اور "مابہ الامتیاز" سے مرکب ہونا لازم آئے گا۔ اور جو چیز مرکب ہوتی ہے۔ وہ اپنے ہر ایک جزو کی محتاج ہوتی ہے۔ اور یہی احتیاج دلیل ہے۔ حدوث و امکان کی۔ لہذا روح اور مادہ دونوں کی قدامت باطل ہوئی۔



# تناسخ یا آواگون کا رد

تناسخ یا آواگون - ویدک دھرم کا بنیادی و معرکتہ الآرا مسئلہ ہے۔ ہندوؤں کا مذہبی اعتقاد و خیال یہ ہے کہ انسان اپنی موجودہ زندگی میں جس قدر بھی اچھے یا برے کاموں کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس کی جزا و سزا اسے یہیں دنیا میں مختلف جسموں میں جا کر ملتی ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص اچھے کام کرے تو وہ مرنے کے بعد کسی اچھے "جنم" میں جائے گا۔ اور اگر برے افعال اس سے سرزد ہوں۔ تو برے جنم میں۔

اس کے ثبوت کے لئے آریہ جو سب سے بڑی دلیل پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ دنیا میں انسانوں کے لئے آرام و تکلیف دو چیزیں ہیں۔ جو لوگ آرام سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ ان کے پچھلے جنم کے اچھے اعمال کا نتیجہ ہے۔ اور جو لوگ تکالیف میں مبتلا ہیں۔ اس کی وجہ ان کے وہ برے اعمال ہیں جو انہوں نے پچھلے جنم میں کئے تھے۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں

کہ ایک بادشاہ ہو۔ اور ایک رعایا۔ کوئی حاکم ہو اور کوئی محکوم۔ کوئی امیر ہو اور کوئی غریب و مفلس۔ کوئی تندرست ہو اور کوئی بیمار۔ کوئی ذہین ہو اور کوئی غبی وغیرہ وغیرہ +

انہیں تمام باتوں اور فرق مراتب سے آریہ حضرات یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ "اگر یہ باتیں پچھلے جنم کی جزا و سزا نہیں تو یقیناً یہ خدا کا ظلم اور قطعی بے انصافی ہے۔ کہ اس نے کسی کو بیمار کر دیا اور کسی کو تندرست۔ کسی کو لنگڑا کر دیا اور کسی کو نہیں۔ کسی کو حاکم بنا دیا اور کسی کو محکوم۔ چونکہ خدا کی ذات نامنصف اور ظالم نہیں ہو سکتی اس لئے ان تمام باتوں کے لئے آواگون کا ماننا ضروری ہے"+

مگر جب اس پر سنجیدگی سے غور کیا جاتا ہے۔ تو یہ تمام باتیں محض قیاس و گمان ثابت ہوتی ہیں۔ اور اہل ہنود کا یہ کہنا کہ "اگر دکھ سکھ پچھلے اعمال کا نتیجہ نہیں۔ تو خدا کا کسی کو بے گناہ دکھ سکھ دینا ظلم ہے"۔ بیشک یہ درست ہے۔ مگر میں پوچھتا ہوں کہ کیا ایک شفیق ماں جو اپنے بیمار بچے کو کڑوی دوا پلاتی ہے۔ اور بچہ اسے پینے سے انکار کرتا اور روتا ہے۔ جس پر وہ اسے جبراً پلاتی ہے۔ تو کیا اس کی یہ سختی بچے کے کسی قصور کی سزا ہے؟ یقیناً نہیں۔ بلکہ یہ تو اس کی عین محبت و شفقت ہے +

اسی طرح اگر ایک جراح کسی مریض کے پھوڑے کو شگاف دے کر اُسے

تکلیف پہنچاتا ہے۔ تو کیا یہ تکلیف کسی گناہ کی پاداش میں اُسے دی جاتی ہے؟ یا یہ جرّاح کی عین عنائت و چارہ سازی ہے۔ غالباً ہمارے دوست آریہ سماج اس پر غور کرنے کے بعد اس کی ہمدردی کا اعتراف کریں گے۔ اور اُسے "ظالم" نہ کہیں گے۔ رہی خدا کی بے وجہ بخشش۔ اسے اس طرح سمجھیے کہ "اگر کوئی آقا اپنے کسی دس روپے تنخواہ پانے والے نوکر کے ساتھ کسی موقع پر دو سَو روپے کا سلوک کر دے۔ تو کیا یہ سلوک نوکر کی کسی خدمت کا صلہ ہو گا۔ یا محض آقا کی بخشش اور کریمانہ عطیہ"۔

جب یہ باتیں کسی گناہ و خدمت کا نتیجہ نہیں ہیں۔ بلکہ اُسے شفقت و محبت اور رحم و کرم کہا جاتا ہے۔ تو پھر خدا کے یہ کام کس طرح ظلم ہو سکتے ہیں۔ اب میں ذرا تفصیل کے ساتھ اس کے ہر پہلو پر الگ الگ بحث کروں گا۔

## محض دولت و حکومت سے دُنیا میں سُکھ نہیں ملتا

یہ خیال کہ "جس کے پاس دولت و حکومت ہے۔ وہی سُکھی ہے۔ اور جس کے پاس نہیں ہے۔ وہ دُکھی ہے"۔ یہ ایک بالکل غلط خیال ہے اگر ایک بادشاہ یا دولتمند اپنی دولت و حکومت کی وجہ سے خوش ہے۔ تو ایک مفلس بھی جو دولتِ قناعت سے مالا مال ہے۔ کچھ کم نصیب نہیں

اس لئے کہ جس قدر کسی کی دولت بڑھتی جاتی ہے۔ اسی قدر اس کی ذمہ داریاں اور تفکرات بڑھتے جاتے ہیں۔ اگر ایک حاکم یا دولتمند کو ایک اعتبار سے سکھ حاصل ہے۔ تو دوسرے لحاظ سے دُکھ میں مبتلا ہے۔ اسی طرح اگر ایک غریب مزدور کو ایک طرح کا رنج ہے۔ تو دوسری طرح کی راحت بھی میسر ہے۔ ایک فقیر جو ترقی کرتے ہوئے تخت شاہی تک پہنچ گیا تھا تخت کو واپس کرتے ہوئے کہتا ہے۔ ؎

"آنگاہ غم نانے داشتم وایں وقت۔ غم جہانے"

اب اس فلسفے پر غور کیجئے۔ تو معلوم ہو جائے گا۔ کہ ایک کاشتکار یا غریب مزدور۔ دن بھر کی سخت محنت کے بعد زمین کے فرش پر جس آرام کے ساتھ سوتا ہے۔ وہ بادشاہوں اور امیروں کو پھولوں کی سیجوں پر بھی نصیب نہیں ہوتا۔

## دُنیا کی کامیابی سے رُوحانی لذّتوں کا حصُول ضروری نہیں

یہ ضروری نہیں کہ جو شخص دولتمند اور صاحبِ اختیار ہو۔ وہ رُوحانی لذّتوں کا بھی مالک ہو۔ اکثر حکومت و دولت کا غلط استعمال بڑے سے بڑے گناہ اور سخت سے سخت آفتوں کا سبب ہوتا ہے۔ بہت سے امیر اور دولتمند لوگ نفسانی خواہشات میں پڑ کر ابدی و رُوحانی راحتوں کو کھو دیتے ہیں۔ قومی و شخصی زوال اور جسمانی و رُوحانی

تنزل ہمیشہ دولت و قوت کے غلط استعمال سے ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول کہ "اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گزر جانا ایک دولتمند کے آسمانی بادشاہت میں داخل ہونے سے زیادہ آسان ہے"۔ بالکل صحیح ہے۔ یہ خدا کی عین رحمت و کرم ہے کہ اس نے راحت کو دولت پر منحصر نہیں کیا۔

اسی طرح یہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ کہ "جو شخص دنیا میں شکستہ حال اور مفلس ہے وہ اپنے پچھلے برے کرموں کی سزا بھگت رہا ہے۔ اور اس کی روح اس سے خوش نہیں ہے"۔ کیونکہ روحانی راحت کے طلبگار ہمیشہ مفلس اور شکستہ خاطر ہی ہوتے ہیں۔ جنہوں نے کبھی دنیاوی جاہ و حشم کی پرواہ نہیں کی۔ ہندوستان میں باباگرونانک۔ رامچندرجی اور سری کرشن کو دیکھئے۔ تو آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ ان بزرگوں نے تنگ دستی کی کیسی کیسی مصیبتیں جھیلی ہیں۔ اور زمانے کی کیسی کیسی سخت ٹھوکریں کھائی ہیں۔ کیا معاذاللہ یہ لوگ سب پچھلے جنم میں پاپی اور گنہگار تھے۔

حضرت عیسیٰ۔ حضرت سلیمان اور فخرالانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ باوجود دنیا جاہ و حشم اور سلطنت و حکمرانی کے نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ خصوصاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو عمر بھر

چھپانے کی بھی کہیں کوئی جگہ میسّر نہ آئی۔ میرے خیال میں ہر دانشمند شخص اس کا اعتراف کریگا کہ زیادہ غذا، سادہ لباس اور غریبانہ معاشرت میں جو لطف ہے وہ شاہانہ عیش و عشرت میں بھی ہے۔

## اندھا بہرہ ہونا پچھلے کرموں کا نتیجہ نہیں ہو سکتا

آریوں کا یہ بھی دعوےٰ ہے۔ کہ "دنیا میں جس قدر اندھے۔ بہرے اور گونگے ہیں۔ وہ سب اپنے پچھلے برے کرموں کی سزا بھگت رہے ہیں۔ ورنہ ہرگز خدا کسی کو بے قصور اندھا بہرا نہ بناتا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اواگون (تناسخ) ہی کے ذریعہ انسان اپنی سزا کو مختلف جسموں میں جاکر بھگتتا ہے"۔

اس میں شک نہیں۔ کہ اندھا بہرا ہونا ایک نقصان ہے۔ لیکن خدا۔ جو بہت ہی رحیم و کریم ہے۔ اس نقصان کی تلافی دوسرے قسم کی راحتوں سے کر دیتا ہے۔

مثلاً ایک اندھا جو دیکھنے سے معذور ہے۔ یقیناً اس کی کوئی دوسری قوت آنکھ والوں سے کہیں زیادہ ہوگی۔ بعض مشہور ترین شعرا اندھے ہی ہوئے ہیں۔ ملٹن۔ جو انگلستان کے مشہور شعرا میں شمار کیا جاتا ہے۔ اور جس نے اپنی نظموں سے سارے یورپ میں تھلکہ ڈال دیا تھا۔ نابینا ہی تھا۔ ابو العلا احمد بن عبد اللہ جس نے سارے

عرب سے اپنی شاعری کا لوہا منوا دیا۔ بے بصری تھا*
جسمانی بے بصری ضرور ایک زحمت ہے۔ مگر جو شخص رُوحانی آنکھوں سے محروم ہو گیا ہو۔ وہ اوّل الذکر سے بہت زیادہ بدنصیب ہے۔" سچ ہے۔ بد نظری کے گناہ میں مبتلا ہو کر جہنم میں جانے سے تو جسم اندھا ہی ہونا بہتر ہے*
اسی طرح بہرا ہونا بھی ایک نقصان ہے۔ مگر اس کی تلافی بھی بعض دوسری قوتوں کی زیادتی سے کر دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ بہرا آدمی بہت سی برائیوں سے بھی بچ جاتا ہے۔ ؎

"اصم بہ کہ گفتارِ باطل نیوش"

اس لئے کسی کی صرف ظاہری حالت دیکھ کر یہ فیصلہ کر لینا کہ جن لوگوں کے پاس کسی خاص قسم کی نعمتیں یا خاص قسم کے اسباب عیش موجود ہیں۔ وہ ہر اعتبار سے خوشحال و فارغ البال ہیں۔ اور جن کے پاس وہ نعمتیں اور وہ سامان نہیں۔ وہ ہر لحاظ سے شکستہ حال و مصیبت زدہ ہیں۔ ایک سخت گمراہ کن اور خطرناک غلطی ہے۔ کیونکہ ایک لنگڑا۔ لولا۔ اپاہج اور مفلس آدمی جو پھٹا پرانا کپڑا پہن کر اور صرف ایک جَو کی روٹی کھا کر زندگی بسر کرتا ہے۔ وہ اپنی قناعت کی وجہ سے ایک قوی۔ تندرست اور دولتمند شخص سے کسی طرح کم خوش نصیب

وہ خوشحال نہیں۔

ایک دولت مند آدمی جو اوقات مقررہ پر شربت۔ چائے۔ اور پان وغیرہ کا عادی ہو۔ اگر ان چیزوں کے ملنے میں چند منٹ کی دیر ہو جائے۔ تو اس کو قریب قریب اتنی ہی تکلیف محسوس ہو گی۔ جتنی ایک غریب مزدور کو ایک وقت کے فاقے سے محسوس ہو سکتی ہے۔ سچ ہے۔

"آنانکہ غنی تر اند محتاج تر اند"

## نیک اور عمدہ لوگ ہی سب سے زیادہ مصیبتیں برداشت کرتے ہیں

راست باز لوگوں نے سچائی کو قائم رکھنے کے لئے کیسی کیسی مصیبتیں اٹھائی ہیں۔ شہداء نے راہِ خدا میں اپنی جانیں تک قربان کی ہیں تاریخ عالم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ظالموں نے اکثر بے گناہوں کو ستایا ہے۔ اور گنہگاروں سے بھی زیادہ تکلیفیں پہنچائی ہیں۔

مہاراجہ رام چندر جی کو آج تینتیس ۳۳ کروڑ ہندو ایشور کا اوتار مانتے ہیں۔ اور دوسرے مذہب والے بھی ان کی صفاتِ حسنہ کے مداح پائے جاتے ہیں۔ انہوں نے چودہ سال تک ڈنڈک بن اور لنکا میں جو تکلیفیں اٹھائیں سب کو معلوم ہے۔ سیتا جی اور لکشمن جی ان بزرگوں۔ یا دوسرے رشیوں منیوں کی مصیبتوں کو ان کے پچھلے

پاپیوں کا پھل کہنے کے لئے تیار ہو تو یہ بات نہ صرف سخت بے ادبی بلکہ انتہا درجے کی بے بصیرتی ہوگی۔ ممکن ہے کہ آریہ سماج ان کو پاپی کہہ دیں۔ مگر کم از کم میں ایسا کہنے کے لئے تیار نہیں۔

## جسم اور عمل میں دَور لازم آتا ہے جو عقلاً باطل ہے

مدعیانِ تناسخ کا قول ہے۔ کہ رُوح کا جسم میں آنا نتیجہ ہے۔ اس کے عمل کا۔ اور رُوح کو جب تک جسم نہ ملے وہ کوئی عمل نہیں کر سکتی۔ یعنی عمل نتیجہ ہے جسم کا۔ اور جسم نتیجہ ہے عمل کا۔ یا عمل علتِ جسم ہے۔ اور جسم علتِ عمل۔ یعنی عمل موقوف ہے عمل پر۔ اور جسم موقوف ہے جسم پر۔ آسان لفظوں میں اس کا خلاصہ یہ ہوا۔

(الف) رُوح کو جسم اس وقت تک نہیں مل سکتا۔ جب تک کہ اس کو پہلے کوئی جسم نہ مل چکے۔

(ب) رُوح عمل اس وقت تک نہیں کر سکتی۔ جب تک کہ پہلے کوئی عمل نہ کر چکے۔

اس بنا پر روح کو کبھی کوئی قالب مل ہی نہیں سکتا۔ یہ صریح دَور (انوینا سنرے دوش) ہے جسے عقلِ سلیم تسلیم نہیں کرتی اور علم منطق (نیائے شاستر) بھی اس کی تکذیب کرتا ہے۔

# علم طبقات الارض کی تحقیق تناسخ کے خلاف ہے

جی آلوجی (علم طبقات الارض) کے علماء نے بدلائل ثابت کیا ہے
کہ انسان سے پہلے کرۂ زمین پر قسم قسم کے بے شمار حیوانات رہتے تھے۔ جو
اربوں کھربوں سال تک پیدا ہوتے اور مرتے رہے۔ اگر یہ عقیدہ صحیح ہو
کہ "انسانی روحیں گناہوں کی سزا بھگتنے کے لئے حیوانی قالبوں میں
بھیجی جاتی ہیں"۔ تو یہ کیا۔ کہ "گناہ کرنے والے انسان تو پیچھے پیدا ہوں
اور جن حیوانات کے قالبوں میں ان کو سزا کے لئے جانا تھا۔ وہ کھربوں
سال پہلے پیدا ہو جائیں"۔

چونکہ یہ بات محال ہے۔ اس لئے تناسخ بھی محض ایک خیال و
وہم ہے۔ اس کے جواب میں اگر یہ کہا جائے کہ ان حیوانات کے قالبوں
میں پچھلی سرشٹی (پیدائش) کے گناہ گار انسانوں کی روحیں تھیں
تو یہ دو وجہوں سے ناقابل تسلیم ہے۔ اوّل یہ کہ یہ محض قیاس و
گمان ہے۔ اور ایسا دعویٰ ہے۔ کہ جس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔
اور دوسرے یہ کہ ان بے شمار مختلف قسم کے حیوانات سے جو انسان
سے پہلے اس کرۂ زمین پر پیدا ہوتے اور مرتے رہے۔ اربوں اور کھربوں
سال تک کسی ایک روح نے بھی انسانی قالب میں جنم نہ لیا۔ حالانکہ آجکل
صرف صوبہ پنجاب میں ہر سال تقریباً دس لاکھ روحیں حیوانی قالبوں

سے آزاد ہو کر انسانی قالبوں میں آتی رہتی ہیں ؛

## حیوانات کے مقابلے میں انسانوں کی قلت

دنیا میں لاکھوں اور کروڑوں قسم کی جاندار مخلوق موجود ہے۔ جن میں سے ایک انسان بھی ہے۔ حیوانات کے مقابلے میں انسانوں کی تعداد گویا صفر ہے۔ کیونکہ ان کی باہمی تعداد میں ایسی نسبت بھی نہیں۔ جو سنکھ × سنکھ × سنکھ کو اکائی سے ہے ؛

مثال کے طور پر پانی کے ایک قطرے کو لے لیجئے۔ جس میں خوردبین کے ذریعے سے ہزاروں کیڑے چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ اس کو دیکھتے ہوئے ایک گھڑا پانی میں جس قدر کیڑے ہوں گے۔ اس قدر انسان تمام روئے زمین پر بھی نہ ہوں گے۔ اسی طرح ہر تنفس کے وقت جو ہوا کسی انسان یا حیوان کے جسم میں داخل ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ بے شمار جاندار کیڑے جسم میں داخل ہوتے رہتے ہیں۔ بڑے بڑے حیوانات چرندوں۔ پرندوں۔ درندوں، مچھلیوں اور حشرات الارض سے قطع نظر کریں۔ تو صرف ایک تالاب کے پانی میں یا ایک چھوٹے سے میدان کی ہوا میں جس قدر کیڑے موجود ہوں گے۔ ان کی تعداد کے مقابلے میں انسانوں کی تعداد گویا صفر ہے۔ اب یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ان کیڑے مکوڑوں کے جنم میں اتنی بڑی تعداد گنہگار روحوں

کی کہاں سے آگر سزا بھگت رہی ہے +

## مسئلہ تناسخ اور اعمالِ حسنہ میں تناقص

عقیدۂ تناسخ کے بموجب روح کا انسان کے قالب میں آنا اعمالِ نیک کی جزا ہے۔ اور حیوانات کے قالبوں میں جانا اعمالِ بد کی سزا ہے۔ اور باتفاق جمیع مذاہب نیکی کرنا اور بدی سے بچنا۔ روحِ انسانی کا فرض ہے۔ معتقدین تناسخ بھی اپنے مذاق کے موافق نیک کاموں کے کرنے اور برے کاموں سے بچنے کی تاکید کرتے ہیں۔ اور یہی چاہتے ہیں کہ دنیا نیک بن جائے +

اب سوال یہ ہے کہ اگر انسانی روحیں اپنے فرائض کو بخوبی ادا کریں اور بدی سے بچیں۔ تو کیا نتیجہ پیدا ہو گا؟

نتیجہ یہ ہو گا کہ جو روحیں انسانی قالبوں میں ہیں۔ وہ تو اعمالِ خیر کی وجہ سے حیوانات یا نباتات کے قالبوں میں آئندہ جنم نہ لیں گی اور جو حیوانات یا نباتات کے قالبوں میں سزا پا رہی ہیں۔ وہ اپنی اپنی سزا کی میعاد ختم کر کے انسانی قالبوں میں آجائیں گی۔ اور ایک دن دنیا میں انسان ہی انسان نظر آئیں گے۔ نہ تو کوئی جانور باقی رہے گا۔ اور نہ کوئی پودا اور درخت۔ اس دن کیسا خوفناک منظر ہو گا۔ نہ کھانے کے لئے غلہ۔ ترکاری پھل اور ساگ وغیرہ کوئی چیز میسر نہ ہو گی۔ پینے

کے لئے گائے بھینس۔ بکری وغیرہ کا دودھ بھی نہ ملے گا۔ پہننے کے لئے روئی
سن۔ اون وغیرہ بھی ناپید ہو جائے گا۔ سواری اور باربرداری کے لئے
نہ گھوڑا ملے گا نہ ٹٹو۔ نہ خچر ملے گا نہ بیل۔ گدھا۔ اونٹ اور ہاتھی وغیرہ
غرض کہ انسانوں کی ضرورتیں پوری نہ ہو سکیں گی۔ اور نظام کائنات
درہم برہم ہو جائے گا +

اس لئے جو لوگ مسئلہ تناسخ کے دلدادہ ہیں۔ ان کا پہلا فرض یہ
ہونا چاہیئے۔ کہ وہ حتی الامکاں عمدہ اور نیک کاموں سے پرہیز کریں
اور برے کاموں میں ترقی کریں۔ تاکہ نسلِ انسانی تباہ و برباد ہونے
سے محفوظ رہے۔ اور غلہ۔ گھوڑے۔ بیل۔ اونٹ۔ گدھا۔ خچر اور
درخت وغیرہ بدستور پیدا ہوتے رہیں۔ (معاذاللہ)

## سزا کا مؤثر اور محسوس ہونا ضروری ہے

سزا کے لئے مؤثر ہونا ضروری ہے۔ یعنی روح کو سزا کی تکلیف
محسوس ہونی چاہیئے۔ غیر مؤثر سزا کوئی سزا نہیں ہے۔ اگر انسان کی
روح کو اس کے اعمالِ بد کی سزا میں کسی حیوان یا درخت کے قالب میں
ڈال دیا گیا۔ تو سوال یہ ہے۔ کہ اس انسان بصورت حیوان یا انسان
بصورت درخت کو اپنی سزا کا احساس بھی ہوتا ہے۔ یا نہیں یقیناً
نہیں۔ کیونکہ ایک ادنےٰ سے ادنےٰ حیوان بھی اپنی حالت پر قانع اور

خوش و خرم نظر آتا ہے۔

ایک سور کو غلاظت و گندگی کے ڈھیر پر اور ایک گدھ کو سڑی ہوئی لاش پر چھوڑ کر دیکھو تو۔ وہ کس خوشی سے اس کی طرف جھپٹتے ہیں انہیں اپنی اس خوراک سے ایسی ہی لذت ملتی ہے۔ جیسی ایک بادشاہ کو انواع و اقسام کے پر تکلف کھانوں سے۔

اب رہے درخت و نباتات انکی بابت اہل تناسخ صاف کہتے ہیں۔ کہ روح انسانی ان چیزوں میں داخل ہو کر کامل بے ہوشی یا گہری نیند میں ہوتی ہے۔ سزا کے احساس کا تو ذکر ہی کیا۔ اس لیئے بہر حال سزا کا مقصد فوت اور تناسخ محض لاحاصل چیز ٹھیرتا ہے۔

## جزا اور سزا کے لیئے روح کو اپنے عمل کا علم ہونا چاہیے

جزا اور سزا کے لیئے روح کو علم ہونا چاہیے۔ کہ فلاں اعمال نیک کیئے تھے ان کی یہ جزا ملی اور فلاں اعمال بد کیئے تھے ان کی یہ سزا ملی۔ تاکہ نیکی کو اختیار کرے اور بدی سے بچے۔ ورنہ جزا اور سزا کا مقصد فوت ہوتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ (بقول اہل تناسخ) جزا اور سزا تو اس قدر عام کہ حیوانات و نباتات کی کوئی فرد اس سے مستثنیٰ نہیں۔ مگر نہ تو عمل خیر کرنے والے کو یہ خبر کہ کس اچھے کام کا یہ انعام مل رہا ہے۔ اور نہ گناہ کے مرتکب کو اس کا علم کہ کس گناہ کے عوض میں یہ سزا مل رہی ہے

لہذا جزا اور سزا کی غرض وغائت بالکل فوت ہو جاتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ انسان بچپن کی باتیں بھول جاتا ہے۔ خواب کی باتیں بھی اس کو یاد نہیں رہتیں۔ مجنون آدمی اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھتا ہے۔ اسی طرح اگر مرنے کے بعد بھی پچھلے جنم کی باتیں یاد نہ رہیں تو کیا تعجب ہے۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ (۱) مجنوں اگر کسی کو قتل کر ڈالے تو اس کو اس وقت سزا نہیں دی جاتی جب تک کہ اس کا دماغ وحواس درست نہ ہو جائیں۔ یا یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اس نے اپنے ہوش وحواس میں رہ کر ارتکاب قتل کیا ہے۔

اسی طرح (۲) نادان بچوں۔ یا بے خبر سونے والوں یا مُردوں کو کوئی حکومت اور کوئی قانون جیل میں نہیں بھجواتا۔

(۳) اگر کوئی مجسٹریٹ۔ جرم کی تحقیقات کئے بغیر مجرم کو جرم کی اطلاع دیئے بغیر اور اس کا عذر سنے بغیر۔ اس کو دس سال کے لئے جیل میں بھجوا دے یا پھانسی کا حکم دیدے۔ تو دنیا ایسے مجسٹریٹ کو کیا کہے گی۔ چونکہ خدا کے نزدیک "قانون عمل" تمام عدل وانصاف کا سرچشمہ ہے اس لئے وہ کبھی ایسا ظلم نہیں کر سکتا۔ کہ جس جرم کا کسی روح کو وہم وگمان بھی نہ ہو۔ اس کی سزا اس کو دی جائے۔

اگر تناسخ صحیح ہوتا۔ تو روح کو اپنے پچھلے جنم کے کُل نہ سہی بعض

اہم واقعات ضرور یاد ہوتے یا کم از کم سابقہ جرائم یا اعمال صالح کا کچھ تصور باقی رہتا۔ اب چونکہ ایسا نہیں ہوتا۔ اس لئے مسئلہ تناسخ محض ایک وہم ہے۔ جس کا کوئی علاج نہیں۔

## تناسخ گناہوں کو دور نہیں کرتا بلکہ اور زیادہ پختہ کرتا ہے

سزا سے غرض۔ مجرم کی اصلاح ہوتی ہے۔ مگر معیان تناسخ نے اس سزا کے جو اصول مقرر کئے ہیں۔ ان سے اصلاح تو کجا ان بیں اور زیادہ تقویت ہوتی ہے۔ مثلاً ایک خوک پسند انسان کو سور کی جون میں بھیجنے سے اس کی کیا اصلاح ہو سکتی ہے۔ اسی طرح اگر۔

"غلے کے چور کو چوہے کا جنم دیا گیا۔ پانی کے چور کو مینڈک کا۔ شہد کے چور کو مکھی کا۔ گھی کے چور کو نیولے کا۔ گوشت کے چور کو گدھ کا۔ تیل کے چور کو تیل پینے والے پکشی (پرندہ) کا۔"

تو کیا یہ سزا ہوئی۔ یہاں تو مجرموں کو منہ مانگی مراد مل گئی۔ غلے کے چور کو غلے کا انبار۔ پانی کے چور کو پانی کا دریا۔ شہد کے چور کو شہد کا ذخیرہ۔ گھی چرانے والے کو گھی چرانے کا کام۔ گوشت کے چور کو گوشت چرانے کا کام۔ تیل کے چور کو تیل پینے کا کام مل گیا تو یہ سزا نہیں ہوئی بلکہ اور تقویت ہوئی۔

۲۔ جب ایسی روحیں اپنی اپنی سزا کی میعاد کو حیوانی قالبوں

میں پورا کرنے کے بعد۔ کبھی انسانی قالبوں میں داخل ہوں گی۔ تو چوری کی بدعادت کو ضرور اپنے ساتھ لائیں گی۔ اور پچھلے جنموں کے ابھیاس (مشق و مزاولت) کی وجہ سے انسانی جنم میں بھی ان سے اسی قسم کے جرائم سرزد ہوں گے۔ اسی بحث کو اگر مفصل دیکھنا ہو۔ تو منوسمرتی کا بارہواں ادھیائے ملاحظہ فرمایئے۔ جس میں جزا و سزا کے عجیب و غریب اصول منضبط کئے گئے ہیں۔ جن پر بے شمار اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔

## تناسخ فضائلِ اخلاق کا منافی ہے

تناسخ فضائلِ اخلاق (رحم۔ کرم۔ احسان۔ ہمدردی۔ مروّت وغیرہ) کا منافی ہے۔ تناسخ کو ماننے والے اس بات پر ایمان رکھتے ہیں۔ کہ ہر آفت و مصیبت۔ ہر رنج و غم۔ ہر درد و الم۔ کسی نہ کسی قسم کے گناہوں کی سزا ہے۔ جو اسی جنم یا پچھلے جنموں میں کیے گئے ہیں۔ اور ہر گناہ کی سزا ضرور ملتی ہے۔ اور نہ کسی حالت میں معاف ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر خدا کسی کے گناہ معاف کر دے تو وہ بقول آریہ سماج ظالم و بے انصاف ٹھیرے گا۔

جب خدا کا انصاف یہ ہے تو اگر ہم بھی اس نیائے کاری ایشور کی پوری پوری اطاعت کرنے لگیں۔ اور عدل و انصاف کے اس

معیار کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنالیں۔ تو ہمارا یہ فرض ہونا چاہیئے۔

(۱) اگر کوئی مسکین فاقہ کش روٹی مانگے تو اس کو ہرگز نہ دیں۔

(۲) اگر کوئی مریض جاں بلب اور تکلیف میں مبتلا ہو تو بجائے تیمارداری کے اس کو اسی طرح مرجانے دیں۔

(۳) اگر کوئی غم زدہ اور محتاج بیوہ طالب اعانت ہو اس سے صاف کہ دیں کہ جاؤ بد نصیب دور ہو۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

(۴) اگر کوئی ننگا۔ بھوکا یتیم کہیں بلکتا ہوا نظر پڑ جائے۔ تو ایسے تو ایسے پاپی کو جھڑک کر نکال دیا جائے۔

(۵) اگر کوئی شیرخوار معصوم بچہ جس کی ماں مرگئی ہو۔ مرنے کے قریب ہو تو دودھ یا پانی کی ایک بوند ایسے گنہگار کے حلق میں نہ ٹپکائیں کیونکہ بقول اہل تناسخ یہ تمام حالتیں ان لوگوں کی شامتِ اعمال کا نتیجہ ہیں۔ اور جب خود پرمیشور نے ان مجرموں کو ایسے ایسے دکھوں میں مبتلا کیا ہے۔ تو ہم ان لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کر کے پرمیشور کے خلاف کیوں کریں۔ کیونکہ پرمیشور بھی کسی روح کے ساتھ بلا معاوضہ کوئی احسان نہیں کرسکتا۔ لیکن دنیا میں کون شخص ہے۔ جو اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوگا۔

## دُنیا میں پاپ کی ضرورت ہے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر ایک آریہ گریجوئیٹ کا وہ مضمون نقل کر دیا جائے۔ جو اس نے تناسخ پر انتہائی غور و فکر کے بعد مشہور اخبار آریہ گزٹ لاہور میں مندرجہ بالا عنوان کے ساتھ شائع کرایا تھا جس کے ہر ہر لفظ سے صاحبِ مضمون کی حیرت و پریشانی ظاہر ہو رہی ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

"آج جس مضمون پر میں قلم اٹھانے لگا ہوں۔ وہ مذہبی دنیا کے لئے واقعی ایک ناخوش گوار اور نیا مضمون ہے۔ دنیا میں تمام مذاہب کی اندرونی اور بیرونی کوششیں پاپ یا گناہ کی ہستی مٹانے میں خرچ ہوئی ہیں۔ اور ہو رہی ہیں۔ سنجیدہ اور خدا رسیدہ لوگوں نے اس بات کا فیصلہ دے دیا ہے۔ کہ سُکھ کی پراپتی نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ پاپ کو جڑ سے نہ اکھیڑ دیا جائے۔ اور اس کی جگہ پُن یا نیکی کا خوشنما پودا اپنی جگہ جڑ نہ پکڑے۔ شروع دنیا سے لے کر آج تک گناہ کے برخلاف مختلف لوگوں نے مختلف طریقوں سے جہاد جاری رکھا ہے۔ لیکن گناہ کی زبردست اور امرٹ طاقتوں کے سامنے انسانی جد و جہد بالکل بے سود ثابت ہوئی ہے۔ جائے تعجب ہے۔ کہ انسانوں اور مذہبوں کی مجتمع لگاتار اور ان تھک

کوششوں کے باوجود بھی پاپ کا راج آج دنیا کے ہر تختے اور طبقے میں رائج ہے۔ اور اس کا سکہ اور رعب ہر ایک دل پر طاری ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس زمانے میں پاپ کی حمائت میں آواز اٹھانا خود کو ملاؤں کے دربار میں گردن زدنی بنانا ہے۔ لیکن میں اس وقت مذہبی یا دھارمک بحث میں پڑنا نہیں چاہتا۔ میرا مدعا فقط پاپ کی ہستی پر اور اہمیت پر فلسفیانہ بحث کرنا ہے۔ اور چونکہ آپ کا اخبار آریہ گزٹ ویدک دھرم کا پرچہ ہے۔ اس واسطے میں ویدک دھرم کے عقائد کے مطابق ہی آج آپ کے اور آپ کے مذہب کے فلاسفروں کے سامنے پاپ کی ضرورت کا سوال پیش کرتا ہوں امید ہے کہ سخن سنج اصحاب میری تحریر کو فقط مجذوب کی بڑ تصور نہ فرماتے ہوئے سوال کی سنجیدگی اور معاملہ فہمی سے جواب دے کر مشکور فرمائیں گے۔

## اواگون کیا ہے؟

اصول تناسخ ویدک دھرم کی جان ہے۔ اور یہ اصول کرموں کے مسئلے پر مبنی ہے۔ کرموں کے متعلق ویدک سدھانت یہ ہے کہ انسان کرم کرنے میں سوتنتر ہے۔ اور پرماتما موت کے بعد اس کی روح کو اس کے کرموں کے مطابق دوسرے قالب میں بھیج دیتا ہے۔ ان

مختلف قالبوں کی تعداد ویدک علم کی تعداد کے مطابق چوراسی لاکھ بتائی جاتی ہے۔ اور ان سب قالبوں میں سب سے برتر اور افضل قالب انسان کا سمجھا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ منش یونی از بس کوششوں اور نیک اعمالوں کا نتیجہ ہے۔ اور اس قالب میں جو روح اگر برے کرموں کی مرتکب ہوتی ہے۔ اس پر پرماتما سزا دے کر دوسرے نیچے درجے کے قالب میں بھیج دیتے ہیں۔ گویہ امر صاف ہے۔ اور جس پر ہر ایک ہندو اور آریہ سماجی کا کامل یقین ہے کہ دنیا میں تمام جاندار، پرماتما کے قیدخانے میں ہیں۔ جس میں خدا روح کے قیدیوں کو اپنے خدائی قانون کے مطابق خاص حالت اور مدت تک بند کر دیتا ہے۔ اور ہم روزمرہ سنتے ہیں۔ کہ جو ذی روح ہم کو صفحۂ زمین پر نظر آتے ہیں۔ یہ سب گنہگار ہیں۔ اور اپنے اعمالوں کی سزا بھگت رہے ہیں۔

یہ خیال ہے جو ہندو مذہب و عقائد کا زبردست جزو ہے۔ اب قدرتی طور پر ایک سوچنے والے دماغ میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ ساری سرشٹی اور دنیا پاپ کا ظہور ہے؟ میرے ادنےٰ خیال میں اس انوکھے سوال کا جواب مثبت میں ملے گا۔ کیونکہ مسئلہ کرم۔ اور آواگون کی رُو سے دنیا میں تمام جاندار۔ انسان۔ گھوڑا ہاتھی۔ چڑیا۔ سانپ۔ کیڑے غرضیکہ درخت اور سبزیات وغیرہ تک

اپنے کرموں کا پھل بھوگ رہے ہیں۔ اور اس امر سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ اگر یہ تمام محبوس روحیں پچھلے جنموں میں پاپ کرم نہ کرتیں تو آج ان مختلف قالبوں کے بندی خانوں میں مبتلا نہ ہوتیں یعنی دوسرے لفظوں میں اگر روحیں پاپ نہ کرتیں۔ تو دنیا میں آج اننی جاندار ہستی ہم کو دکھائی نہ دیتی *

تھوڑی دیر کے لیئے خیال فرمائیے کہ اگر آج دنیا میں ہر ایک انسان یک لخت پاپ کرنا چھوڑ دے اور حیوان اور دیگر چھوٹے جانور جو چوراسی لاکھ طریقوں سے قید میں سڑ رہے ہیں۔ اپنی اپنی سزائیں بھگت کر آزاد ہو جائیں تو دنیا کا کیا نظارہ ہوگا۔ ویدک دھرمی صاحب جھٹ بول اٹھیں گے کہ بس سب مکت ہو جائیں گے۔ لیکن اس جواب سے ان پر ایک اور اعتراض عائد ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ ویدک نیم کے مطابق جب پرلے کے بعد سرشٹی اپتی ہوگی۔ تو اس پرماتما کس کے لئے اور کس طرح سے سرشٹی کو پیدا کریں گے۔ مانا کہ مکت آتمائیں اپنی نجات کی محدود میعاد ختم کر کے پھر سنسار میں منش یونی کو دھارن کریں گی۔ اچھا اب ذرا اس وقت کا نظارہ آنکھوں کے سامنے لادیں۔ اس وقت **خدا کے قیدی**۔ یعنی بیل۔ گائے۔ بھینس۔ گھوڑا۔ ہاتھی اور دیگر چوراسی لاکھ جانور جو ہر زمانے میں حضرت انسان کی زندگی کے لیئے ازبس ضروری

ہیں۔ بالکل موجود نہیں ہوں گے۔ یہاں تک کہ دنیا میں درخت
اور سبزیات تک نظر نہ آئیں گے۔ کوئل کی میٹھی آواز۔ مینا
کی خوش آیند بانیں۔ بلبل کے دِل سوز ترانے۔ اور گائے
کا شیریں دُودھ۔ میٹھے آم۔ انار۔ بھاجی۔ سبزی۔ آلو۔ بناپتی
غرضیکہ سب انسانی ضروریات صفحۂ دنیا سے مفقود
ہوں گی+

میرے خیال میں اگر اس مضمون کو مطالعہ کرنے والے
صاحب چند منٹ اپنے تصوّر میں ایسے دردناک اور ڈراؤنے
نظارے کا نقشہ جمائیں۔ تو اُن کو پتہ لگ جائے گا کہ دنیا محض
ایک خلا ہوگی۔ جس میں چند سِسکتی ہوئی انسانی روحیں تڑپ
تڑپ کر اپنی جان دے دیں گی+
افسوس کہ پرماتما کا سب سرشٹی نیم آن کی آن ملیامیٹ
ہو جائے گا۔ اور پرماتما اپنے سبھاوک گن کے انوسار کاروائی
کرنے سے قاصر رہ جائیں گے۔ نہ کرم ہوں گے نہ کرموں
کا پھل دینے والا۔ نہ باپ ہوگا نہ بیٹا۔ ستارے اور چاند حسرت
سے سوکھی زمین پر نگاہیں ڈال کر اداسی سے آہیں کھینچیں گے
اور آفتاب بے چارہ بھی اپنا سا منہ لے کر نظام شمسی میں گھوم

رہا کرے گا۔ نہ رعایا ہوگی نہ خدائی بادشاہت۔ غرض کہاں
تک بیان کیا جائے۔ یہ فسانہ بڑا دردناک ہے۔ اس لئے
ہم قدرتی طور پر اس نتیجے پر پہنچتے ہیں۔ کہ خدا کی بادشاہت۔
دنیا کی ہستی۔ انسانی کاروبار۔ نیچر کے خوشگوار اور دلربا
نظارے قائم رکھنے کے لئے

## پاپ انسانی زندگی کا ضروری جزو ہے

راقم

ایک متلاشی از آنند پور

(آریہ گزٹ)



# مسئلہ نیوگ اور آریہ سماج

دیانندجی نے سب سے بڑی بات اور خطرناک ٹھوکر جہاں کھائی ہے۔ وہ مسئلہ نیوگ ہے جسے آپ نے طلاق اور عقد ثانی کا قائم مقام بناکر کثرت اولاد کا ایک انوکھا ذریعہ نکالا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آریہ سماج کی غیرت وحمیت ستیارتھ پرکاش کے باب نیوگ کو پڑھتے وقت کہاں چلی جاتی ہے۔ اور وہ دیانند صاحب کے خلاف اس ناپاک تعلیم دینے پر صدائے احتجاج کیوں نہیں بلند کرتے۔ کیا آج دنیا میں کوئی ایسا بے غیرت وبے حمیت انسان موجود ہے۔ جو سوامی جی کی اس تعلیم پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو۔ اور اپنی عورتوں کو خواہ وہ کسی غرض سے ہو۔ غیروں کے حوالے کرنے کے لئے آمادہ ہو؟ غالباً باوجود اس کے کہ اب دنیا میں وہ پہلی سی غیرت باقی نہیں رہی تاہم کوئی شخص اس غیرت سوز مسئلہ پر عمل کرنے کے لئے تیار نہ ہوگا۔

ہاں میرا روئے سخن آریہ سماج کی طرف ہے۔ اس لئے کہ یہ وہ مخصوص جماعت ہے۔ جس کی لغت "ناموس و عصمت" کے الفاظ سے نا آشنا ہے۔

نیوگ کن کن حالتوں میں واجب اور جائز ہو جاتا ہے۔ اس کے متعلق ہمارے سوامی صاحب ستیارتھ پرکاش میں یوں گل افشانی فرماتے ہیں۔

"جو بیاہا ہوا پتی دھرم کے لیئے پردیس گیا ہوا ہو تو آٹھ برس علم کے پڑھنے کے لئے گیا ہو تو چھ برس۔ دولت کمانے کی غرض سے گیا ہو تو تین برس اس کی راہ دیکھنے کے بعد نیوگ کرا کے اولاد پیدا کرے۔ جب بیاہا ہوا خاوند آئے۔ تب نیوگ والے پتی سے الگ ہو جائے"۔

عورت بانجھ ہو تو آٹھویں برس۔ اولاد ہو کر مر جائے تو دسویں برس۔ اور جب جب اولاد پیدا ہو اور لڑکیاں ہی ہوں لڑکے نہ ہوں تو گیارھویں برس تک اور جو بد کلام بولنے والی ہو تو جلد ہی اس عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت سے نیوگ کر کے اولاد پیدا کر لے۔ ایسے ہی اگر مرد نہائت تکلیف دہندہ ہو تو عورت کو چاہیے کہ اس کو چھوڑ کر دوسرے مرد سے نیوگ کر کے اولاد پیدا کرے۔ اور

اس بیاہے ہوئے خاوند کی وارث اولاد پیدا کرے۔"

جب خاوند اولاد پیدا کرنے کے ناقابل ہو۔ تب وہ اپنی عورت کو اجازت دے کہ اے نیک بخت اولاد کی خواہش کرنے والی عورت مجھ سے علاوہ دوسرے خاوند کی خواہش کر۔ کیونکہ اب مجھ سے اولاد نہ ہوگی۔ تب عورت دوسرے کے ساتھ نیوگ کرکے اولاد پیدا کرے لیکن اس بیاہے عالی حوصلہ خاوند کی خدمت میں کمربستہ رہے۔ ایسا ہی عورت بھی جب بیماری میں پھنس کر اولاد پیدا کرنے کے ناقابل ہو تب اپنے خاوند کو اجازت دے۔ کہ اے مالک آپ اولاد کی امید مجھ سے چھوڑ کر کسی دوسری بیوہ عورت سے نیوگ کرکے اولاد پیدا کیجئے اگر حاملہ عورت سے ایک سال تک صحبت نہ کرنے کے عرصے میں مرد سے یا دائم المریض مرد کی عورت سے نہ رہا جائے۔ تو دوسری سے نیوگ کریں۔

(ستیارتھ پرکاش دوسرا ایڈیشن صفحہ ۱۱۹ ایڈیشن سوم صفحہ ۱۵۲)

یہ نیوگ کے اصول ستیارتھ پرکاش سے بجنسہ نقل کردئے گئے ہیں۔ اب انہیں سلسلہ وار تہذیب و تمدن۔ شائستگی و اخلاق کی روشنی میں بے نقاب کیا جاتا ہے۔

(۱) "جو بیاہا ہوا پتی دھرم کے لئے پردیس گیا ہوا ہو تو آٹھ برس۔

علم پڑھنے کے لئے گیا ہو تو چھ برس اور دولت کمانے کی غرض سے گیا ہو تو تین برس - اس کی راہ دیکھنے کے بعد نیوگ کرکے اولاد پیدا کرے جب بیاہا ہوا خاوند آئے - تب نیوگ والے پتی سے علیحدہ ہو جائے ؛

افسوس ہے کہ اس مسئلہ پر جس قدر غور کیا جاتا ہے - اس کی لغویت و بیہودگی زیادہ روشن ہوتی جاتی ہے - اور کوئی پہلو باوجود انتہائی تفکر کے ایسا ذہن میں نہیں آتا جو انسانی زندگی کے لئے مفید ہو - آج کل تبلیغ - علم و دولت کے حصول کے لئے لوگ کثرت سے غیر ممالک کے دور دراز سفر اختیار کرتے ہیں - جہاں انہیں سوامی جی کی مقررہ میعاد سے کہیں زیادہ ٹھیرنا پڑتا ہے - اب اگر اس علم و دولت کے متلاشی ہیں - ذرا سا بھی غیرت کا مادہ موجود ہے تو یقیناً وہ نیوگ کے حیاسوز مسئلہ کا خیال کرکے کانپ جائے گا - اور کی وجہ سے اپنی علم کی تشنگی بجھانے کے لئے نہ جا سکے گا - اب آریہ سماجی جواب دیں کہ کیا ایسی ہی تعلیم کو لے کر وہ دنیا کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کے لئے اٹھے ہیں - جس پر وہ خود بھی عمل نہیں کر سکتے - پھر کیا ایسا مذہب عالمگیر مذہب ہو سکتا ہے ؛

کاش پنڈت دیانند صاحب اس کے خلاف عورتوں کو صبر و ضبط

کی تعلیم دیتے تو وہ زیادہ دل میں گھر کرنے والی ہوتی کہ مذہب کا سب سے پہلا فرض یہی ہے۔ کہ وہ انسانوں کو ضبط نفس کی تعلیم دے نہ کہ ان کو اور بھی نفسانی خواہشات کے گڑھے میں دھکیل دے۔

دوسرے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ کہ وہ اولاد جو شوہر کی عدم موجودگی میں نیوگ کے ذریعے سے حاصل کی گئی ہے۔ وہ اس کے واپس آنے کے بعد اس کے دل کے لئے تسکین و ٹھنڈک کا باعث ہوگی یا نہیں۔ غالباً اس کا جواب ہر غیر تمند شخص یہی دے گا کہ وہ اولاد بجائے دل کی راحت و تسکین ہونے کے اس امر قبیح کی یاد دلا کر اور بھی قلب کو بے چین رکھے گی۔ اور وہ کسی سوسائٹی اور کسی اعلےٰ مجلس میں مُنہ دکھانے کے قابل نہ رہے گا۔

(۴) عورت بانجھ ہو تو آٹھویں برس۔ اولاد ہو کر مر جائے تو دسویں برس۔ اور جب جب اولاد پیدا ہو اور لڑکیاں ہی ہوں لڑکے نہ ہوں تو گیارہویں برس تک۔ اور جو بدکلام بولنے والی ہو تو جلد ہی اس عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت سے نیوگ کرکے اولاد پیدا کرلے۔ ایسے ہی اگر مرد نہائت تکلیف دہندہ ہو تو عورت کو چاہیے کہ اس کو چھوڑ کر دوسرے مرد سے نیوگ کرکے اولاد پیدا کرے۔ اور اُس

بیاہے خاوند کی وارث اولاد پیدا کرے"۔

اس پر غور فرمائیے اور دیکھئے کہ آیا یہ تعلیم اصلاح کا ذریعہ ہے یا انتہائی جہالت وحشت کی راہنما۔ سوامی جی کا یہ کہنا کہ اگر عورت بانجھ ہو تو آٹھ برس برس تک اولاد ہونے کا انتظار کرکے اسے چھوڑ دے اور اس کی بجائے کسی دوسری عورت سے نیوگ کرکے اولاد پیدا کرلے۔ ایک نہائت ظالمانہ اور بے رحمانہ تعلیم ہے۔ اگر کوئی عورت بانجھ ہے۔ تو اس میں اس غریب کا کیا قصور وہ تو قدرت ہی کی طرف سے اس نعمت سے محروم کی گئی ہے۔ اب اس غریب کو اس جرم میں بے یارومددگار چھوڑ دینا کیا اس تہذیب و تمدن کے زمانے میں اس جنس لطیف کی توہین اور اس پر بدترین ظلم نہیں ہے اور کیا مردوں کی خودغرضی کا اس سے زیادہ دردناک کوئی نمونہ پیش کیا جاسکتا ہے۔

کاش سوامی جی یہ ہدائت کرنے سے پہلے "اسلام" کی اس تعلیم کو بھی دیکھ لیتے جو اس نے اپنے متبعین کو دی ہے۔ اس نے اس حالت میں عورت کو مجبور سمجھ کر یہ حکم دیا ہے۔ کہ مرد اس عورت کو بھی اسی سابقہ آرام و آسائش کے ساتھ رکھے اور دوسری شادی کرکے اولاد کی تمنا پوری کرے۔ مگر ہمیشہ اس کا خیال رہے کہ

دوسری شادی کرنے کے بعد پہلی عورت کے آرام و آسائش میں کسی قسم کا فرق نہ آنے پائے۔ اور نہ کسی قسم کی دلشکنی وحق تلفی ہو۔ ورنہ مرد گنہگار ہوگا۔

اب دیانند جی کے پیرو۔ ان دونوں تعلیموں کا موازنہ کریں اور دیکھیں کہ کس تعلیم نے دنیا کو تہذیب و شائستگی کا سبق دیا۔

اسی طرح سوامی جی کی اس تعلیم پر غور کریجئے کہ "اولاد ہو کر مرجائے۔ تو دسویں برس اور جب جب اولاد پیدا ہو اور لڑکیاں ہی ہوں لڑکے نہ ہوں تو گیارہویں برس تک انتظار کر کے اس عورت کو چھوڑ دے"۔ اس میں بھی غریب عورت مشیت کے آگے مجبور اور اس کو چھوڑنا سراسر ناانصافی اور ظلم ہے۔

(۳) "اور جو بد کلام بولنے والی ہو تو جلد ہی اس عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت سے نیوگ کر کے اولاد پیدا کرے۔ اسی طرح اگر مرد نہایت تکلیف دہندہ ہو تو عورت کو چاہیئے کہ اس کو چھوڑ کر دوسرے مرد سے نیوگ کر کے اولاد پیدا کرے۔ اور اس بیاہے خاوند کی وارث کرے"۔

اگر عورت کی اس بد کلامی کے علاج کو کوئی فلسفی دیکھے گا تو معلوم

نہیں۔ وہ سوامی دیانند کی معصومیت اور بھولے پن کے متعلق کیا رائے قائم کرے گا۔ بہرحال آپ نے عورت کی بدمزاجی کا اچھا سیدھا سادہ سا نسخہ بتا دیا۔ قربان جائیے آپ کی اس عقل و فراست اور دماغ کے جس میں بھولے سے بھی کوئی معقول بات آتی ہی نہیں۔ اور سچ تو یہ ہے۔ کہ معقول بات کی ضرورت بھی نہیں۔ متبعین کون سے عقلمند ہیں÷

اگر سوامی دیانند نے اسلامی تعلیم کا تھوڑا سا بھی مطالعہ کیا ہوتا تو شاید وہ ایسی مہمل اور ناممکن العمل باتیں زبانِ قلم سے نہ نکالتے اور علمی حلقوں میں ان کی تضحیک نہ ہوتی÷

سوامی جی کو تعلیم تو یہ دینا چاہیئے تھی۔ کہ اگر عورت بدزبان ہو تو مرد نرمی و محبت سے اس پر فتح پانے کی کوشش کرے کہ محبت و حلم کے آگے یہ تمام باتیں اس طرح اڑ جاتی ہیں۔ جس طرح آفتاب کے سامنے شبنم۔ رسول اکرم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ "عورتوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرو کہ وہ خمیدہ ہڈی کی طرح ہیں اگر ان سے سختی کی جائے گی تو وہ ٹوٹ جائیں گی"۔ اب اس تعلیم کا اس وحشت انگیز تعلیم سے موازنہ کرکے بتاؤ کہ کون سی مناسب اور فطرت انسانی کے

موافق ہے۔

سوامی جی کا مرد کو عورت کی چڑچڑاہٹ دور کرنے کے لئے یہ علاج بتانا کہ اس کی بجائے کسی دوسری عورت سے نیوگ کیا جاوے یقیناً ہر حیثیت سے لغو اور مہمل ہے۔ جس کی تردید ایک بچہ بھی آسانی کے ساتھ کر سکتا ہے۔ سوامی جی کے ذہن میں یہ بات نہ آئی کہ وہ مرد کو اس عورت کے خلاف جو دوسری عورت سے تعلق پیدا کرنے کا علاج بتا رہے ہیں۔ وہ اس مرض کو اور زیادہ بڑھائیگا یا کم کرے گا۔ عورت کی بدمزاجی اس نئے تعلق کو دیکھ کر جاتی رہیگی یا اور زیادہ بڑھ جائے گی۔

اسی طرح سوامی دیانند کی یہ تعلیم کہ "اگر عورت بیمار ہو تو مرد دوسری عورت سے نیوگ کر کے اولاد حاصل کرے"۔ حقیقت میں سوامی جی کا یہ نسخہ بہت ہی تیر بہدف ہے۔ کہ نہ مرض رہے اور نہ مریض۔ کیونکہ جب مرد کسی دوسری عورت سے تعلق پیدا کرنے گا تو خواہ مخواہ وہ بیمار اسی کوفت ہی میں جل جل کر مر جائے گی۔

(۴) جب خاوند اولاد پیدا کرنے کے ناقابل ہو۔ تب وہ اپنی عورت کو اجازت دے کہ اے نیک بخت اولاد کی خواہش کرنے والی عورت مجھ سے علاوہ دوسرے خاوند کی خواہش کر۔ کیونکہ اب مجھ سے

اولاد نہ ہو سکے گی۔ تب عورت دوسرے کے ساتھ نیوگ کر کے اولاد پیدا کر لے۔ لیکن اس بیاہے عالی حوصلہ خاوند (اس عالی حوصلگی کا کیا کہنا) کی خدمت میں کمربستہ رہے۔ ایسے ہی عورت بھی جب بیماری وغیرہ میں پھنس کر اولاد پیدا کرنے کے ناقابل ہو تب اپنے خاوند کو اجازت دے کہ اے مالک آپ اولاد کی امید مجھ سے چھوڑ کر کسی دوسری بیوہ عورت سے نیوگ کر کے اولاد پیدا کیجیے"۔

سوامی جی کی اس تعلیم سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ نیوگ صرف حصول اولاد کے لیے جائز ہے۔ نفسانی خواہشات کو اس میں مطلق دخل نہیں۔ کیونکہ اس قسم کی ہدائتیں ستیارتھ پرکاش میں اور بھی بہت سے مقامات پر ملتی ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ سوامی جی کا حافظہ بھی بہت کمزور تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی مندرجہ بالا تعلیم کی خود ہی تردید کر دی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"اگر حاملہ عورت سے ایک سال تک صحبت نہ کرنے کے عرصے میں مرد سے یا دائم المریض مرد کی عورت سے نہ رہا جائے۔ تو کسی سے نیوگ کریں"۔

اس ہدائت سے یہ صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حصول اولاد کے علاوہ۔ شہوت پرستی و ہوسناکی کے لئے بھی نیوگ کی اجازت

ہے جس کی ہمارے آریہ سماجی کسی طرح بھی کوئی تحویل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ مرد کی عورت حاملہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر اس حالت میں کسی دوسری عورت سے نیوگ کیا جائے گا تو وہ اولاد کے لئے نہ ہوگا۔ بلکہ محض نفسانی خواہش کے لئے۔

میں نہیں چاہتا کہ نیوگ جیسے شرمناک مسئلہ کو اور زیادہ عریاں کیا جائے۔ اس لئے اسی اختیار پر اس کو ختم کرتا ہوں۔ ورنہ ابھی بہت کچھ لکھنے کی گنجائش تھی۔



# قربانی کا جواز ویدسے

"دھرم شاستر میں ہے کہ جو حیوان منتر پڑھ کر شاستر کے حکم کے موافق ذبح کیا جائے۔ اس کو برہمن ہمیشہ کھائے۔ اور جو بغیر منتر کے مارا جائے اس سے پرہیز کرے"۔ (ادھیا ۵ اشلوک ۳۶) آگے چل کر اسی شاستر میں حسب ذیل حکم ملتا ہے:-

"شاستر کی رُو سے جو گوشت کھانے جائز ہیں۔ ان کو جو شخص نہیں کھاتا وہ اگلے جنم میں اس جرم کے عوض اکیس۲۱ دفعہ حیوان بنتا ہے۔" (ادھیا ۳۔ ۵ اشلوک ۳۵)

ہم نے بارہا دیکھا ہے۔ کہ جب آریہ سماجی ہر قسم کے دلائل سے عاجز ہو جاتے ہیں۔ تو یہ کہنے لگتے ہیں۔ کہ جیو ہتیا کسی حال میں بھی جائز نہیں ہو سکتی۔ درحقیقت یہ لوگ خود اپنے مذہب کی تعلیم سے ناواقف ہیں۔ ورنہ اس قسم کے مہمل اعتراضات کبھی نہ کرتے:-

ہندوؤں کی تاریخیں شاہد ہیں کہ خود رام چندر جی اکثر ہرن کا شکار تیر و کمان سے کھیلا کرتے تھے اور کوئی سوامی سنیاسی آج ان کے اس فعل کو برا نہیں جانتا ۔

شاستر میں قربانی کا ذکر بڑی شد و مد کے ساتھ ہے ۔ اور اس کی بہت تاکید کی گئی ہے ۔ الفنسٹن صاحب کی تحقیقات کے بموجب جو اہلِ ہنود کی مسلمہ کتب پر مبنی ہے ۔ بیل کے گوشت کی بہت فضیلت آئی ہے ۔ اور اس جانور کی قربانی میں سب سے زیادہ ثواب ہے ۔

مہابھارت میں لکھا ہے ۔ کہ راجہ دت دیو نے اپنے جگ میں گائے کی قربانی کی ۔ علاوہ اس کے ویدوں میں نہایت تفصیل کے ساتھ قربانی کے احکامات موجود ہیں ۔ خصوصاً رگ وید اور یجر وید تو صرف اسی لئے ہیں ۔ کہ وہ قربانی کے وقت پڑھے جائیں ۔ براہمنہ میں قربانی کے طریقے اور جزوی احکامات نہایت وضاحت کے ساتھ موجود ہیں ۔ اور یہ وہ کتابیں ہیں جنہیں تمام ہندو الہامی مانتے ہیں ۔ اور جن پر ان کے مذہب کی بنیاد ہے ۔

انڈین ایرین میں مسٹر راجندر دلال منزایل ۔ ایل ۔ ڈی سی ۔ آئی ۔ ای لکھتے ہیں ۔ کہ ہندوؤں میں قدامت سے مختلف

قسم کی قربانیاں جاری تھیں۔ اور انہیں گوشت کی بہت ضرورت تھی۔ چنانچہ ہر قسم کے جانور ایک کثیر تعداد میں مہیا کئے جاتے تھے۔ جو ہر دیوتا کے لئے الگ الگ قربانی کے لئے مقرر تھے۔ اور حسب قاعدہ ذبح کئے جاتے تھے۔ چنانچہ مصنف مذکور یجروید کے براہمنہ سے ثابت کرتے ہیں۔ کہ مختلف دیوتاؤں کے لئے کس کس طرح کی قربانی مقرر تھی۔ ان کی اصل عبارت حسب ذیل ہے۔

"کامیا اسٹس یعنی چھوٹی قربانی میں ایک چھوٹے قد کا بیل۔ وشنو کے لئے ایک جھکے ہوئے سینگ کا بیل جس کی پیشانی پر چمکدار سفید نشان ہو۔ اندر کے لئے ایک سفید جھکے ہوئے سینگ کا سانڈ۔ اس کے علاوہ انہیں اندر کے لئے بہ حیثیت اس کے کہ وہ دشمنوں کو تباہ کرنے والا تھا۔ یا بہ حیثیت قابض بجلی ایک بہلہ گائے۔ وشنو اور ورنیا کے لئے ایک ایسی گائے جس کا بچہ ابھی پیدا ہوا ہو۔ اوشدھیا کے لئے ایک ایسا سانڈ جس کو پہلے کسی شادی یا خوشی کے موقع پر نامزد کر کے مقدس کر لیا گیا ہو۔ اگنی اور اندر کے لئے ایک عمدہ اور فربہ بیل۔ برہمنتی کے لئے ایک سیاہ گائے۔ پوشن کے لئے ایک ایسی گائے۔ جو صرف ایک مرتبہ بچہ جنی ہو۔ وایو کے لئے دو رنگ والی گائے۔ متھرا اور ویرونا کے لئے ایک

سُرخ گائے رودرا کے لئے ایک سفید بہلہ گائے۔ سمرجا کے لئے ایک فربہ گائے وغیرہ وغیرہ (از ٹیٹاریہ برہمنہ ۱۱۱ صفحہ ۶۵۸) ملاحظہ ہو۔ انڈو ارین جلد ۱۔ مطبوعہ ۱۸۸۱ء مصنفہ جندر ولال متر صفحہ ۲۶)

انسائیکلو پیڈیا برٹیانکا میں بھی جو مضمون زیرِ عنوان گاؤ کُشی لکھا گیا ہے۔ اس میں بھی ہندو مصنفین کے حوالے سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہودیوں کی طرح ہندوؤں میں بھی قدیم الایام میں یہ رسم تھی۔ کہ جب کوئی معزز مہمان آتا تھا۔ تو نہائت فربہ بچھڑا اس کے لئے ذبح کیا جاتا تھا۔

اب تک جو کچھ لکھا گیا وہ مذہبی حیثیت سے تھا۔ مگر اب میں اس مسئلہ پر اقتصادی پہلو سے نظر ڈالتا ہوں۔ کیونکہ عموماً آریہ جب تمام دلائل سے عاجز آجاتے ہیں۔ تو پھر اقتصادی حیثیت سے یہ کہنے لگتے ہیں۔ کہ دودھ اور گھی کی گرانی کا اصلی سبب گاؤ کُشی ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے۔ کہ ان کا یہ کہنا کہاں تک حق بجانب ہے۔

## گاؤ کُشی اقتصادی حیثیت سے

(۱) یہ امر مسلّم ہے کہ عموماً وہی مویشی خوراک کے لئے ذبح کئے جاتے ہیں۔ جو بڈھے اور ناکارہ ہونے کی وجہ سے یہ توافزائش نسل

کے کام آسکتے ہیں۔ نہ کھیتی کے اور جن کو ان کے مالک جو زیادہ نرہند
ہوتے ہیں۔ خرچ خوراک سے تنگ آکر ان سے سبکدوش ہونے
کے لئے قصائیوں کے ہاتھ بیچ ڈالتے ہیں۔ اگر یہ تمام جانور مقدس
سمجھ کر پالے جائیں تو بارہ سال کے اندر ان کی تعداد کروڑوں تک
پہنچ جائے گی۔ جس سے حسب ذیل دو نتائج مرتب ہوں گے +

(الف) چارہ جو اس وقت بھی گراں ہے۔ مانگ کے بڑھ جانے
سے اور بھی کم یاب و گراں ہو جائے گا۔ اور اس کا یہ اثر ہوگا کہ کام
کرنے والے مویشی جنہیں اس وقت بھی بدقت خوراک ملتی ہے۔
بھوکے مرنے لگیں گے۔ اور ان سے کھیتی اور افزائش نسل
کے وہ فوائد جو بحالت موجودہ حاصل ہوتے ہیں۔ بہت کم حاصل
ہو سکیں گے +

یہ ممکن ہے۔ کہ ان دیوتاؤں کی پرورش کے لئے لاکھوں
بیگھہ رقبہ جس میں اب غلہ پیدا ہو رہا ہے۔ محض چری کی کاشت یا
چراگاہوں کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔ لیکن اس صورت
میں اناج کی پیداوار میں خواہ مخواہ کمی واقع ہوگی اور اس کا نرخ
بہت بڑھ جائے گا۔ جو انسانوں کے لئے ایک مصیبت عظیم
ہوگی +

(ب) کروڑوں مویشیوں کی خوراک کا بار ملک پر بلا وجہ پڑے گا
اور ان کی ذات سے کوئی نفع حاصل نہ ہوگا۔

(۲) گاؤکشی کی بدولت اس قسم کے مویشی جو محض بے کار ہیں
ملک کے لئے دولت مندی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ مسلمان انہیں خوراک
کے کام میں لاتے ہیں۔ ان کا خشک کیا ہوا گوشت۔ ان کی
کھالیں۔ ان کی چربی۔ ان کی ہڈیاں۔ ان کے سینگ۔ ان کا
خون دیگر ممالک کو بھیجتے ہیں۔ جن کی قیمت کا کروڑوں روپیہ ہمارے
ملک میں آتا ہے۔ اب کوئی علم الاقتصادی ماہر ہمیں سمجھائے کہ
ان بے شمار مویشیوں کی پرورش کا بار ملک پر ڈالنا بہتر ہے۔ خصوصاً
جب کہ ان کے وجود سے بجز نقصان کے کچھ فائدہ نہیں۔ یا ان کو
ذبح کر کے ان کے جسم کے ہر جزو سے فائدہ اٹھانا؟

(۳) انسداد گاؤکشی سے جوتہ۔ چمڑا۔ بستر بند۔ ہینڈ بیگ اور جملہ
سامان چرمی جو زیادہ تر ہمارے سماجی دوست استعمال کرتے ہیں۔
نہایت گراں ہو جائے گا۔ جو کسی طرح ان کے لئے مفید نہیں۔

(۴) یہ کہنا بالکل غلط ہے۔ کہ گاؤکشی کی وجہ سے ملک میں گھی
دودھ گراں ہو گیا۔ اگر اس پر غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا۔ کہ اس
گرانی کا دارومدار گاؤکشی پر نہیں ہے۔ کیونکہ عموماً تیس فی صدی ایسی

چھوٹی نسل کی گائیں ہیں۔ جو مطلق دودھ نہیں دیتیں۔ اور اگر دیتی بھی ہیں تو وہ صرف ان کے بچوں کے لئے کافی ہوتا ہے۔ رہیں بڑی نسل کی گائیں وہ بھی زیادہ سے زیادہ دو سیر سے چھ سیر تک دُودھ دیتی ہیں۔ اور پھر لطف یہ کہ دودھ ہلکا ہونے کی وجہ سے اس کا گھی بھی نہیں نکالا جاتا۔

بخلاف اس کے بھینسیں تیس ۳۰ تیس ۳۰ سیر تک دُودھ دیتی ہے اور چھ سیر سے تو کم کی کوئی بھینس ہوتی ہی نہیں۔ چونکہ اس کا دودھ گاڑھا ہوتا ہے۔ اور اس میں گھی کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے عام طور پر اسی کے دودھ کا گھی نکالا جاتا ہے۔ اس لئے ہم آریہ سماج کو مشورہ دیتے ہیں۔ کہ اگر وہ بجائے۔ "گئو رکھشا" کرنے کے "بھینس رکھشا" شروع کردے تو ملک کے لئے ہر اعتبار سے موزوں ہوگا۔



# شدھی کی حقیقت

## آریہ مذہب میں کسی کی شدھی جائز نہیں

آج تمام ہندوستان میں شدھی کا بازار گرم ہے۔ بظاہر اس پر کسی قوم کو کوئی اعتراض کی گنجائش نہیں۔ اس لئے کہ جس طرح ایک مسلمان و عیسائی کو یہ حق حاصل ہے۔ کہ وہ احسن طریقے سے کسی شخص کو اپنے مذہب کی دعوت دے۔ اسی طرح ایک آریہ کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ دوسروں کو اپنے مذاہب میں شامل کرے۔

مگر دیکھنا یہ ہے۔ کہ آیا اس کا مذہب بھی اپنے میں دوسروں کو شامل کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ یا نہیں۔ یا صرف دنیاوی اغراض و نفع کے لئے ایسا کرنے پر آمادہ ہوا ہے۔

اب ہم اسی معیار پر آریہ سماج کی موجودہ شدھی کو جانچنا چاہتے ہیں۔ کہ آیا آریوں کی شدھی حال کی اختراع ہے۔ یا ویدوں کی قدامت کی طرح یہ بھی قدیمی ہے۔ اور ان کے بزرگوں کا بھی یہی قاعدہ تھا۔

اور مذہبی کتابیں وید۔ سمرتی۔ پران وغیرہ ایسا کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ یا نہیں۔ اگر آریہ سماج کی مسلّمہ کتب اور ان کے بزرگوں میں اس کی مثال ملتی ہو تو۔ "چشم ما روشن دلِ ما شاد" پھر ہمارے لئے اس میں برا ماننے کی کوئی وجہ نہیں۔

مگر افسوس کہ آریہ سماج کی تمام مذہبی کتابوں میں کسی دوسرے شخص کو شدھی کر کے اپنے میں شامل کرنے کا اشارہ گو کنایۃً بھی کوئی حکم نہیں ہے۔ اور نہ ان کے بزرگوں میں اس کا کوئی نمونہ ملتا ہے۔ جس کے بعد خواہ مخواہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آریوں نے یہ جہاد اپنے مذہب کے خلاف شروع کیا ہے۔ اور قطعی انہیں اپنی اس مذموم حرکت سے باز آجانا چاہیئے۔ اور اگر انہیں اس اصول سے ایسی ہی محبت ہے۔ کہ وہ اُسے ترک نہ کر سکتے ہوں۔ تو پھر انہیں کسی ایسے مذہب کو تلاش کرنا چاہیئے۔ جس میں اس عمدہ اصول کی تعلیم و شکشا پائی جاتی ہو۔ ورنہ تمہاری یہ شدھی سوائے اس کے اور کوئی معنی نہیں رکھتی کہ تم اس کے پردے میں سیاسی فائدہ اٹھا کر۔ مطلب نکل جانے کے بعد ان شدھی شدہ لوگوں کو پھر دھکیل کر نکال دو۔ چنانچہ اخبار عام اور دیگر سناتنی پنڈت صاف صاف یہ کہہ چکے ہیں۔ کہ ہم شدھ شدہ لوگوں سے کسی قسم کا تعلق

نہیں رکھ سکتے۔ یعنی نہ ان کے ساتھ کھا سکتے ہیں اور نہ شادیاں کر سکتے ہیں"۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ اس مسئلہ میں مجبور بھی ہیں۔ اس لئے کہ ان کا مذہب انہیں یہی حکم دیتا ہے۔ ہم یہاں تفصیل کے ساتھ وہ تمام احکامات درج کرتے ہیں۔ جن میں کسی غیر ہندو کو ہندو بنانے کی ممانعت کی گئی ہے۔

بھگوان منو کا وہ اشلوک۔ جسے سوامی دیانند نے ستیارتھ پرکاش باب نہم کے اخیر میں تناسخ کا ثبوت پیش کرتے ہوئے نقل کیا ہے۔ ہم بھی یہاں پر بعض نتائج کے لئے درج کرتے ہیں۔

"شریر جیبی کرم۔ دوشیر۔ پانی لتبھادتاں نر دوہ، واچ کیہ پکش مرگیاں مانسر ئت جاتی تام" (منو۔ ۱۲-۹)

ترجمہ۔

جو شخص بذریعہ جسم چوری سے دوسرے کی عورت کے ساتھ مباشرت یا نیک آدمیوں کی ہلاکت وغیرہ کا کام کرتا ہے۔ اس کا جسم۔ درخت وغیرہ۔ غیر متحرک قالبوں میں ہوتا ہے۔ زبان سے کئے ہوئے پاپوں کا عوض۔ پرند اور مرگ (جنگلی چوپائے) وغیرہ کا قالب۔ اور ذہنی سے کئے ہوئے پاپوں کے بدلے چنڈال

وغیرہ کا جسم ملتا ہے۔

دستیارتھ پرکاش سمولاس نہم صد ۳۳۳ ایڈیشن اردو دسمبر ۱۹۰۸ء

تشریح :-

جو شخص جسم کے ذریعہ چوری سے کسی دوسرے شخص کی عورت سے مباشرت کرے یا نیک آدمیوں کی ہلاکت کا باعث ہو۔ اس کا جسم۔ درخت وغیرہ غیر متحرک قالبوں میں ہوتا ہے۔ اور زبان سے کئے ہوئے پاپوں کے عوض پرند اور مرگ وغیرہ کے جسم میں جاتا ہے۔ اور منی سے کئے ہوئے پاپوں کے عوض چنڈال کا جسم ملتا ہے۔

"منو" ۱۲-۹)

اگرچہ بھگوان منو نے یہ شلوک جنم کے متعلق فرمایا ہے۔ لیکن دیانند نے اس کو ایک خاص مسئلے کے طے کرنے کے لئے ذیل کا ترجمہ کیا ہے۔ یعنی

"جو شخص بذریعہ جسم کے دوسرے کی عورت سے مباشرت کرے وہ درخت اور نباتات وغیرہ کے قالبوں میں ڈالا جائے گا۔ اور زبان سے کئے ہوئے پاپوں کے عوض پرند اور چوپائے وغیرہ کا جسم ملے گا۔ اور من سے کئے ہوئے پاپوں کے عوض اگلے جنم میں چنڈال کا جنم ملے گا"۔

اب جبکہ - بقول منوجی وسوامی دیانند ان کے ایشور نے جنم کے متعلق یہ حدود قائم کردی ہیں - تو پھر کسی شخص کو کیا حق واختیار ہے کہ وہ ایشور کے خلاف اس کے مقررہ اصول میں ردّو بدل کرے - اگر کوئی شخص چنڈال ہے - تو بقول منوجی اور سوامی دیانند جی وہ اپنے پچھلے کرموں کی سزا بھگت رہا ہے - اور ایشور نے اُسے سزا بھگتنے کے لئے یہ جنم دیا ہے - اب ذرا آریہ سماجی اس پر غور کریں کہ جس چنڈال کو پرمیشور نے سزا بھگتنے کے لئے پیدا کیا ہے کہ اسے شدھی کرکے وہ اس سروشکتی مان ایشور کی مخالفت نہ کریں گے - ہاں شائد ان کے دل میں یہ خیال گزرے کہ شدھی کے متعلق ہماری فلاں کتاب میں اجازت ہے - اور فلاں رشی کا قول ہے - لیکن یہاں پر سوال یہ ہے - کہ کیا کسی رشی دمنی کی تحریر وکتاب خدا کے فعل وحکم کو توڑ سکتی ہے - نہیں - ہرگز نہیں ایشور کا فیصلہ دنیا کی کوئی طاقت نہیں بدل سکتی - تو پھر کوئی رشی یا منی اس شخص کو جسے خدا نے چنڈال بنایا ہے - کس طرح برہمن بنا سکتا ہے +

دوم - جب ایشور بقول منوجی مہاراج اور سوامی دیانند - کسی شخص کو چوری یا بدکاری کی بدولت درخت وغیرہ کی جون

میں ڈال دیتا ہے۔ تو کیا دنیا میں کوئی ایسی طاقت ہے جو اس درخت کو شدھ کر کے پرند و چرند بنا دے۔ میرے خیال میں درخت کا پرند و چرند بنانا تو بہت بڑی چیز ہے۔ کسی املی کے درخت کو سنگترے کا درخت بھی نہیں بنایا جا سکتا۔

جب درختوں کی صورت و اصلیت نہیں بدل سکتی تو پھر کسی چنڈال کو برہمن کون بنا سکتا ہے۔ اس لئے کہ درخت بھی برے کرموں کا نتیجہ ہے اور چنڈال بھی برے کرموں سے چنڈال ہے بلحاظ نوعیت دونوں ایک ہیں۔ اس لئے آریہ سماج کسی چنڈال کی شدھی کرنے سے پہلے ستیارتھ پرکاش کو بدل ڈالیں منوجی فرماتے ہیں۔

"ستھاورا کرم کیا رپچ منپاہ سرپاہ پکچھا پاہ
پسو شیچ۔ مرگا شچیو جگنیاں تامن گیتہ"

(منو ۱۲:-۴۲ شلوک)

ترجمہ:-

"جو نہائت درجہ کے تموگی ہیں۔ وہ غیر متحرک مثلاً درخت وغیرہ کیڑے مکوڑے۔ مچھلی۔ سانپ۔ کچھوے۔ مویشی اور جنگلی چوپائے وغیرہ کا جنم پاتے ہیں"۔

"ہستی نشچ ترنگا شچ شودرا ملیچھا شچ گرہتیاہ
ہنساویاگرہ براہاشچ مدہماتامسی گیتھ"

(منو ۱۲/۴۳)

ترجمہ:-

"جو متوسط درجے کے تموگی ہیں۔ وہ ہاتھی۔ گھوڑا۔ شودر
ملیچھ اور قابل مذمت کام کرنے والے سؤر کا جنم پاتے ہیں"۔
اب آریوں کا یہ کہنا کہ شودر وغیرہ جنم سے نہیں ہوتے بلکہ کرم
سے ہوتے ہیں، غلط ہے۔ ورنہ منوجی مہاراج گھوڑے۔ ہاتھی۔
وغیرہ کے ذیل میں شودر کا ذکر نہ کرتے۔ کیونکہ شودر اور گھوڑے
وغیرہ کا جنم پانے والے ایک ہی سے گنہگار ہیں۔ اور دونوں کے
گناہ کی نوعیت ایک ہے۔ البتہ سزائیں اور جنم مختلف ہیں۔ یعنی
کسی تموگنی کو شودر کا جنم دے دیا گیا۔ اور کسی کو گھوڑے وغیرہ کا۔
اگرچہ گناہ دونوں کے ایک ہی ہیں۔
اب بحث یہ ہے کہ جب آریہ گھوڑے۔ گدھے کو شدھ کرکے
انسان نہیں بنا سکتے تو ایک شودر کو شدھ کر کے۔ کس طرح۔ برہمن
چھتری۔ یا کوئی اور بڑی ذات بنا سکتے ہیں۔
آریہ اس کے مدعی ہیں۔ کہ برن یعنی ذاتوں کی تقسیم افعال

سے ہے۔ جنم سے نہیں۔ یعنی اگر کوئی شخص برہمن کے گھر پیدا ہو کر برے کام کرے تو وہ برہمن نہیں۔ مگر ان کے قبلہ و کعبہ سوامی دیانند اور بھگوان منو کا یہ عقیدہ نہ تھا۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ تموگنی ہونے کا نتیجہ آئندہ جنم میں گھوڑا اور شودر بنتا ہے۔ گھوڑے کے ساتھ بہت مشابہت اس بات کو واضح کرتی ہے۔ کہ ذات جنم سے ہے۔ نہ کہ افعال و کرم سے۔ کیونکہ گھوڑے اور شودر کا گناہ بقول سوامی دیانند ایک ہے:۔

اس کے علاوہ کسی شخص کا شرابی۔ بدچلن اور موذی ہونا۔ پہلی زندگی یا اعمال سابقہ کا نتیجہ ہے۔ اور وہ ویسا ہی کرنے پر مجبور ہے۔ تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ آریہ حضرات کیوں دوسروں کو بدچلنی اور زناکاری سے روکتے ہیں۔ ان کا یہ روکنا ایشور کی مرضی کے سراسر خلاف ہوگا۔ اس لئے کہ خود اسی نے ان کو اپنے سابقہ اعمال کی وجہ سے شراب نوش۔ بدچلن اور موذی بنایا ہے۔ اسی کے ساتھ ایک بات اور سمجھ میں آتی ہے۔ وہ یہ کہ جب کوئی شخص اپنے پچھلے کرموں کی بدولت شراب خوار اور بدچلن بنا دیا گیا تو یقیناً یہ سزا اس کے لئے اور دوسری سزا کا مستوجب ہوگی۔ اور وہ شراب خواری و بدچلنی کر کے اس سے

زیادہ بُرے جنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اور یہ سلسلہ ایسا وسیع اور غیر منتہی ہو جائے گا۔ کہ اس غریب کو کبھی نجات نہ نصیب ہو گی یا بالفاظِ دیگر یوں کہیے کہ آریہ سماج مذہب میں کبھی کسی کی نجات ہی نہیں ہے۔ اس سے زیادہ حیرت اس بات پر ہے۔ کہ اوّل درجہ کے زانی اور شراب خوار کو شودروں پر ترجیح دی گئی۔ کیونکہ شراب خوار اور زانی اونچے اور اعلیٰ درجے کے تموگنی ہیں۔ اور شودر متوسط درجے کے +

بہر حال بقول سوامی جی اور بھگوان منو۔ شودروں سے شرابی اور زانی افضل ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ ایک شودر کبھی اعلےٰ درجے کے تموگنی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ اسے شدھ کر کے برہمن۔ چھتری۔ یا مہاتما بنانے کی کوشش کی جائے +

جھلا ملا شچو پرشاستر برتیاہ۔ دیوت

پان پرسکتا سچہ جگنیہاں راجی گیہ۔

ترجمہ:۔

جو شخص رجوگنی ہیں۔ وہ تلوار وغیرہ سے ہلاک کرنے والے یا کدال وغیرہ سے کھودنے والے ملّاح۔ نٹ ہتھیار بند نوکر اور شراب وغیرہ کی عادت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ایسے ایسے جنم پانا۔

جو گن کا نتیجہ ہوتا ہے :-

اب غور کیجیئے۔ کہ نٹ - شراب خوار - ہتھیار بند مزدور وغیرہ بھی سوامی جی نے جنم سے مقرر کئے ہیں۔ لیکن افسوس ان کے مبلغین پر کہ وہ سوامی جی کے خلاف ایسے لوگوں کو جنمی نہیں بلکہ کرمی کہتے ہیں - اور خدا کے خلاف انہیں شدھ کرنے کے لئے تیار ہیں :-

رجہ سنہ چھتری - اشچیو اگیان چیو پرد
تھایا دیدہ پر وہانا سچھ -

ترجمہ :-

جو متوسط درجے کے تموگنی ہوتے ہیں - وہ ساجہ کھشتری ورنستھ (صاحب سیف) راجاؤں کے پروہت مقدمہ بازی کرنے والے سفیر اور وکیل - بیرسٹر اور جنگی محکمہ کے افسر کا جنم پاتے ہیں :-

اس میں سوامی دیانند نے معمولی جھکی آدمی کو ایک راجہ کو تشبیہ دی ہے - اور مقدمہ بازی کرنے والوں کو وکیل اور بیرسٹر بنایا ہے - اگر آریہ سماج وکیل یا بیرسٹر بننا چاہتے ہوں - تو جھوٹے سچے مقدموں کے ٹھیکیدار بن جائیں :-



# آریہ سماج کے پیغمبر سوامی دیانند

## کے

## متعلق علمائے عصر کی رائیں

بانی آریہ سماج سوامی دیانند کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے آریہ سماج کی بنیاد ویدوں کی تعلیم پر رکھی تھی۔ سراسر غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سوامی جی نے ویدوں کو اسلامی تعلیم کا پیوند لگا کر نئے وید بنانے کی کوشش کی تھی۔ مگر چونکہ مذہب تراشنا انسان کا کام نہیں ہے اس لئے ہمارے سوامی صاحب بہک گئے۔ چنانچہ جب انہوں نے اپنی تفسیر وید پنجاب گورنمنٹ کی خدمت میں محکمۂ تعلیم کے کورس میں داخل کرانے کی غرض سے بھیجی اور پنجاب گورنمنٹ نے اس پر سینٹ کی رائے طلب کی تو پنڈت گرپرشاد جی ہیڈ پنڈت اورینٹل کالج لاہور۔ پنڈت رکھی کشن سیکنڈ ٹیچر اورینٹل کالج لاہور۔ مسٹر ٹانی ایم۔ اے پرنسپل پریزیڈنسی کالج کلکتہ۔ مسٹر گرنتھ ایم۔ اے۔

مترجم ہر چہار وید اینڈ پرنسپل ہندو کالج بنارس نے بالاتفاق یہ رائے ظاہر کی تھی کہ "دیانند کا من گھڑت ترجمہ ویدوں کا ترجمہ نہیں ہے۔ بلکہ اس نے اپنے نئے وید بنائے ہیں"۔

اس رائے کو سُن کر پنجاب گورنمنٹ نے سوامی دیانند صاحب کی درخواست نامنظور کردی۔

۲۔ اسی طرح مہا مہو پادھیا پنڈت مہیش چندر رتنا سی۔ آئی ای پرنسپل سنسکرت کالج کلکتہ۔ پنڈت نورین چندر رائے فاضل سنسکرت فیلو پنجاب یونیورسٹی پرنسپل کالج لاہور۔ پنڈت شی شنکر پا۔ پنڈت بورنگ ایم۔ اے مشہور نامور فاضل سنسکرت بمبئی پریسیڈنسی وسابق اورینٹل ٹرانسلیٹر گورنمنٹ بمبئی مترجم رگوید وغیرہ فضلائے سنسکرت نے بالاتفاق اس بات پر اپنی رائے کا اظہار کیا کہ "پنڈت دیانند ایک ابن الوقت شخص ہے۔ جس نے ویدوں کا انٹ شنٹ اور من گھڑت ترجمہ کیا ہے"۔

۳۔ جرمن کے مشہور فاضل سنسکرت پروفیسر میکسمولر جن کو سوامی دیانند صاحب ۔ موکھش ل (نجات یافتہ) لکھا کرتے ہیں۔ اور آریہ لکچرار تو آج تک اپنے لکچروں میں ویدوں کے متعلق ان کی رائے کو فخریہ پیش کرتے ہیں۔ وہ اپنے مضمون

A refutation of the "Satyarth-Parkasha" of Pindit Dayanand.

میں لکھتے ہیں:-

"It is posible that Dayanandji can get triumph for a while in his free supports for "Vadic" Principals but it is not wrong to say that the wind of "western" Civilization will extinguish soon his barning lamp."

ترجمہ:-

اگرچہ یہ ممکن ہے کہ دیانندجی کی بے بنیاد کوشش جو وہ ویدوں کے اصولوں کے لئے کر رہے ہیں کچھ عرصہ کے لئے اس میں کامیاب ہو جائیں۔ مگر یہ کہنا غلط نہیں کہ مغربی تعلیم و تہذیب کی تیز و تند ہوا دیانند کی ان کوششوں کا چراغ گل کر دے گی۔

## مہاتما گاندھی کی رائے

اس میں شک نہیں کہ دیانند ایک بہادر آدمی ہیں۔ لیکن انہوں

نے ہندو دھرم کو تنگ کر دیا ہے۔ میں نے آریہ سماج کی مقدس کتاب "ستیارتھ پرکاش" کو پڑھا ہے۔ جب میں یروڈا جیل میں تھا۔ تو میرے پاس تین نسخے بعض دوستوں نے بھیجے تھے۔ اتنے بڑے مصلح کے قلم سے ستیارتھ پرکاش جیسی مایوس کن کتاب کا نکلنا حد درجہ افسوسناک بات ہے۔ سوامی دیانند کا دعویٰ ہے کہ میں سوائے حق کے اور کسی چیز کا وکیل نہیں ہوں لیکن انہوں نے غیر محسوس طریقے پر جین دھرم اسلام۔ مسیحیت اور خود ہندو دھرم کے متعلق بہت سی غلط بیانیاں کی ہیں۔ جن لوگوں کو ان مذاہب سے کچھ بھی واقفیت ہے۔ وہ محسوس کریں گے۔ کہ اس زبردست مصلح نے کس قدر غلط واقعات لکھے ہیں۔

انہوں نے روئے زمین کے رواداد ترین مذہب ہندو دھرم کو تنگ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگرچہ وہ بظاہر بت شکن تھے۔ لیکن بت شکنی کو نہائت قابلیت کے ساتھ تقدیس کا جامہ پہنایا ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے ویدوں کے الفاظ کو بتوں کا رتبہ دے دیا ہے۔

# سوامی دیانند کے متعلق

## خود آریہ حضرات کی رائے

اب میں چاہتا ہوں کہ بعض ان مشہور آریوں کی رائے لکھوں جو
انہوں نے دیانند کے متعلق ظاہر کی ہیں۔ چنانچہ لالہ لاجپت رائے
صاحب جس وقت انہیں آریہ سماج سے ایک گہری محبت تھی۔
اپنی تصنیف "دیانند کی سوانح عمری" میں ان کے متعلق اس طرح لکھتے ہیں "
"ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ سوامی دیانند سرسوتی نے اپنے جیون
(زندگی) میں کئی مرتبہ اپنی رائیں تبدیل کی ہیں۔ ایک وقت تھا کہ
وہ شومت کو پرائی پاؤں (قائم و جاری) کرتے تھے۔ اور رُدر کشتی
کنٹھ مالا رکھتے تھے۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ وہ ان کا کھنڈن
کرنے لگے۔ ایک وقت ایسا بھی تھا کہ وہ نجات کو میعادی نہیں مانتے
تھے۔ (دیکھو مباحثہ چاندپور) پھر ایک وقت ایسا آیا کہ انہوں نے
اپنی رائے تبدیل کر دی۔ کون جانتا ہے۔ کہ اگر وہ زندہ رہتے

تو اپنی زندگی میں اور کیا کیا تغیر و تبدل کر جاتے۔ جتنی عمر بڑھتی جاتی تھی
اتنا ہی علم و تجربہ بھی بڑھتا جاتا تھا۔"

مہاپرشوں کا جیون ہندی نمبر ۴ - ص ۱۳۶

ایک اور فاضل آریہ پنڈت نردیو شاستری جنہوں نے آریہ سماج
کی تاریخ کے نام سے ایک حصہ شائع کیا ہے۔ اور جو مہاودیالہ جوالاپور
کے پرنسپل رہ چکے ہیں۔ اپنی کتاب کے صفحہ ۴۱ میں لکھتے ہیں ۔
"سوامی جی کا مقصد کوئی نیا مذہب چلانے کا نہیں تھا۔ ان کو
کسی سے کوئی عند نہ تھی۔ بھول چوک لینے دینے کے لئے وہ ہمیشہ
تیار رہتے تھے" پھر اسی کتاب کے ص ۸۹ پر لکھتے ہیں :-
"اگر سوامی جی اب تک زندہ رہتے تو یہ بہت ممکن ہے کہ آریہ
سماج کی یہ موجودہ شکل باقی نہ رہتی۔ خود سوامی جی اپنی لکھی ہوئی باتوں
میں معلوم نہیں کتنا تغیر و تبدل کر جاتے



# آریہ مہاشوں سے چالیس سوالات

نمبر ۱۔ روح کو وید مجرد مانتا ہے۔ یا مادی۔ اگر مجرد مانتا ہے۔ تو وہ پرمیشور سے کسی قدر کثیف ہے تو کیا ویدانت فلسفہ دو مجرد چیزوں میں کثافت و لطافت کے فرق کا قائل ہے۔ جیسا کہ دو مادی چیزوں میں ہے اگر قائل ہے۔ تو مہربانی کر کے مجرد کی تعریف بتائیے۔ اگر خدا کے برابر لطیف ہے۔ تو کونسی چیز روح میں علم و قدرت وغیرہ کی کمی کی باعث ہوئی +

نمبر ۲۔ بحوالہ وید بتاؤ کہ ارواح متناہی ہیں۔ یا غیر متناہی۔ دوسری صورت میں ان غیر متناہی روحوں کے لئے اجسام بھی غیر متناہی ہونے چاہئیں۔ تو اب بتاؤ کہ وید ذی روح اجسام کو غیر متناہی جانتا ہے۔ یا نہیں۔ نیز اس تقدیر پر قدیم اور واجب الوجود کا تعداد غیر متناہی ہونا جو لازم آتا ہے تو یہ از روئے وید جائز ہے یا ناجائز۔ گر متناہی ہیں۔ تو بتاؤ کہ وہ مادی ذرات جن سے روحوں کا اتصال

ہو لمتناہی ہیں یا غیر متناہی۔ اگر غیر متناہی ہیں۔ تو ہر ہر ذرے میں ایک ایک ڈالی گئی۔ یا یہ کہ چند ذروں سے ایک جسم تیار کیا گیا۔ اور اس جسم میں روح ڈالی گئی۔ پہلی صورت میں متناہی و غیر متناہی کا برابر ہونا لازم آتا ہے۔ ورنہ ماننا پڑے گا کہ بہتیرے ذرات بغیر روح کے رہ جائیں گے۔ جو پہلی بے قاعدگی ہے۔ نیز اس صورت میں ہر ذرے کا ذی روح ہونا لازم آتا ہے۔ جو بالکل عقل کے خلاف ہے۔ دوسری صورت میں بھی اگرچہ یہ اعتراض ہوتا ہے کیونکہ غیر متناہی چیزوں سے جو مجموعے اور مرکبات تیار کئے جاتے ہیں۔ وہ بھی غیر متناہی ہوتے مگر اس سے قطع نظر کر کے اس سوال کا جواب دو کہ یہ اجسام (جو ذرات سے بنے ہیں۔) تو بہ سبب مرکب ہونے کے حادث ہوئے۔ اور ارواح ہیں قدیم۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ خدا نے شروع شروع قدیم اور حادث چیزوں کو باہم ترکیب دے کر دنیا بنائی۔ حالانکہ مانا جاتا ہے۔ کہ پہلے پہل دو قدیم چیزوں کو خدا نے ترکیب دی۔ یہ بھی بتاؤ کہ ایسا مجموعہ عقلاً جائز ہے جس کا ایک جزو قدیم ہو اور ایک حادث۔ اگر متناہی ہیں۔ تو اجسام بھی متناہی ہوں گے۔ پس کائنات کا دائرہ محدود ہو جائیگا حالانکہ آج کل ویدانت فلسفہ۔ سائنس جدید کے قدم بہ قدم ہو کر

دعویٰ کرتا ہے۔ کہ کائنات کا دائرہ غیر محدود ہے۔ جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اجسام غیر متناہی ہیں۔ نیز متناہی کی شق پر ویدانت فلسفہ کا یہ خیال صحیح نہیں رہتا کہ بننے سے پہلے غیر متناہی آکاش ذرات سے بھرا ہوا تھا۔ کیونکہ متناہی چیز غیر متناہی کو بھر نہیں سکتی۔

نمبر ۳۔ روحیں اگر متعدد ہیں۔ تو اُن میں باہم اختلاف بھی ہوں گے۔ ورنہ تعدد کیا۔ اب بتاؤ کہ روحوں کے اختلاف ذاتی ہیں۔ یعنی ہر روح کی حقیقت دوسری روح کی حقیقت سے جدا ہے یا صفاتی۔ اگر ذاتی ہیں تو چند روحوں کی حقیقتیں یوں بتاؤ کہ فلاں کی یہ حقیقت ہے اور فلاں کی یہ۔ جیسا کہ ہم بتاتے ہیں۔ کہ انسان کی یہ ہے اور گھوڑے کی یہ۔ نیز یہ بتاؤ کہ ان ذاتی اختلافات کا اعمال پر اثر پڑتا ہے۔ یا نہیں۔ اگر صفاتی ہیں تو بتاؤ کہ جب تمام روحوں کی ذات اور حقیقت ایک ہے تو ان کے اوصاف کن اسباب سے مختلف ہوئے۔ اگر یہ کہو کہ اعمال کے سبب سے تو اعمال خود منجملہ دیگر صفات کے ایک قسم کی صفات ہیں۔ خود ان کے اختلافات پر بھی یہی سوال عائد ہوگا۔ یعنی یہ کہ ان کے اعمال کیوں مختلف ہوئے۔

نمبر ۴ - عمل - روح کے لئے لازم ہے یا نہیں - اگر لازم ہے تو مکتی (نجات) کے بعد روح عمل کرتی ہے یا نہیں - اگر نہیں کرتی تو عمل لازم کیسے رہا - اگر کرتی ہے تو نجات کا زمانہ عمل سے خالی نہ رہا - جو آپ کے عقیدے کے خلاف ہے - نیز وہ نجات نجات کیونکر کہی جا سکتی ہے - جو عمل کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہو - نیز انسان کی موجودہ زندگی ہی نجات کے لیئے کافی ہے دوسرے جنم کے ماننے کی ضرورت نہیں رہتی *

نمبر ۵ - روح غیر ذی احساس قالبوں مثلاً جمادات و نباتات کو اختیار کرتی ہے یا نہیں - اگر اختیار کرتی ہے تو ان قالبوں میں اس کے ذاتی خواص مثلاً علم و غور باقی رہتے ہیں یا نہیں - اگر نہیں تو روح کو اپنی سزا کا علم کیونکر ہوتا ہے - اور اپنے سابقہ گناہوں پر غور کیونکر کرتی ہے - اور جب ایسا نہیں ہوتا تو سزا کا فائدہ کیا ہے - اگر باقی رہتے ہیں - تو موجودہ حالت میں پتھروں کو ذی شعور اور ذی ادراک کہنا کیوں ناجائز قرار دیا جائے - اور مہربانی کر کے یہ بھی بتائیے کہ جب درخت اور پتھر میں روح انسانی کے تمام خواص موجود ہیں تو کیوں نہ مانا جائے - کہ وہ موجودہ حالت میں اعمال بھی کرتے ہیں - تو

پھر مذاہب کے بھی مکلّف ہیں۔ اور ان میں وید انتی بھی ہیں۔ اگر ان قالبوں کو نہیں اختیار کرتے تو دیانند صاحب کا یہ خیال کہ رُوح بھاری گناہوں کے بدلے غیر چیتن (غیر مدرک) قالب مثلاً درخت وغیرہ اختیار کرتی ہے۔ کہاں تک صحیح ہوگا۔ اور یہ خیال وید کے مخالف ہوگا۔ یا موافق۔ نیز یہ بتاؤ کہ جمادات ونباتات کو کس جرم میں احساس و ادراک سے محروم رکھا گیا۔ اور ان میں یہ گوناگوں اختلاف کیوں ہیں۔ پھول کس نیک عمل کے بدلے ایسی دلکش وہردلعزیز صورت پاتا ہے۔ اور کانٹا کس جرم میں نفرت انگیز اثر اختیار کرتا ہے۔

**نمبر ۶۔** رُوح سزا بھُگت لینے کے بعد جب انسانی قالب میں آتی ہے تو وہ اپنے اندر پچھلے گناہ کا کچھ اثر رکھتی ہے۔ یا بالکل پاک وصاف اور سادہ بن جاتی ہے۔ دوسری صورت میں یہ ضروری ہے کہ وہ بے عیب قالب انسانی کو اختیار کرے ورنہ اگر قالب میں ایک عیب بھی ہوا تو ماننا پڑے گا کہ رُوح پچھلے گناہ کا کچھ اثر باقی رکھتی تھی جس کے نتیجے میں اس کے قالب کو یہ عیب دیا گیا۔ یا یہ مانو گے کہ گذشتہ زمانے میں روح کو اپنے گناہوں کی پوری سزا نہیں ملی تھی۔ بلکہ کچھ باقی رہ

گئی تھی جواب قالب کو باعیب بنا کر دی گئی ہے۔ تو اب یہ لازم آئے گا کہ کرم جونی (عمل کا قالب) بھوگ جونی (سزا کا قالب) بھی ہو۔ ان خرابیوں سے بچنے کے لئے ماننا چاہیئے۔ کہ وہ قالب بالکل بے عیب ہوگا۔ اور سماج یہ بھی مانتا ہے۔ کہ "مکتی یافتہ روح جس قالب کو اختیار کرتی ہے۔ وہ کامل اور بے عیب ہوتا ہے" اب ہم پوچھتے ہیں۔ کہ دو انسان جن میں ایک کی روح سزا بھگت کر آئی ہے۔ اور دوسرے کی مکتی پاکر بالکل یکساں ہیں۔ یا نہیں۔ اگر نہیں تو اختلاف کی وجہ۔ ابھی او پر مان چکے ہیں کہ دونوں کو بالکل بے عیب اور یکساں قالب ملنا چاہیئے کیونکہ دونوں روحیں بالکل مساوی اور یکساں ہیں۔ اگر ہیں تو وہ دو کیسے سمجھے جاتے ہیں۔ جب کہ دو چیزوں کا دو ہونا دونوں کے اختلاف پر مبنی ہے۔ اگر بد روح کچھ اثر باقی رکھتی ہے۔ تو اب وہ موجودہ حالت میں خواہ مخواہ بدی کی طرف مائل ہوگی۔ اور مکتی یافتہ روح موجودہ حالت میں نیکی کی طرف۔ پھر یہ دعویٰ کہ دونوں کو عمل کرنے کا بالکل یکساں موقع دیا گیا ہے۔ اور وہ دونوں نیک عمل کرنیکے لئے یکساں آزاد ہیں۔ کیونکہ صحیح ہو سکتا ہے۔ اور اگر صحیح نہیں ہو سکتا۔ تو کیا خدا اب بھی منصف باقی رہتا ہے۔ اور کیا اب

بھی تناسخ کا چکر انسانوں کے لئے مفید ہوگا؟

نمبر ۷۔ وہ مادہ جس میں رُوح پہلے پہل داخل کی گئی کیا چیز تھا۔ آیا بسیط ذرات سے جو جسم تیار ہوا (وہ) اگر جسم مراد ہے تو کُل اجسام میں رُوح داخل کی گئی یا بعض میں۔ پہلی صورت میں ہر جسم ذی رُوح ہوگا جو ہدائیت اور مسلمہ آریہ سماج کے خلاف ہے۔ دوسری صورت میں بتاؤ کہ بعض اجسام رُوح کی برکتوں سے کیوں محرُوم رہے۔ جبکہ رُوح پانے والے اجسام کو ان پر کوئی فوقیت نہ تھی۔ کیونکہ دونوں قدیم ذرآت بسیط سے ہی بنائے گئے تھے۔ اور اگر فوقیت تھی تو ایسا کیوں ہوا۔ خدا نے کیوں دو قسم کے جسم بنائے۔ نیز یہ کہ اس صورت میں رُوح اور مادے میں اتصال نہ ہوا۔ بلکہ رُوح اور جسم میں جو ویدک عقیدے کے خلاف ہے۔ اگر ذرات مراد ہیں تو اول یہ کہ ہر ہر ذرہ بسیط ذی رُوح ہوگا۔ جو فلسفہ کے صریح مخالف ہے۔ دوم یہ کہ ان ذرات سے جو اجسام بنائے گئے ان میں ہزاروں روحیں ماننی پڑیں گی کیونکہ ایک جسم کی ترکیب میں ہزاروں ذرات صرف ہوتے ہیں۔ پھر یہ سوال ہوگا کہ آیا اجسام کو ایک نئی رُوح بھی علاوہ ذرات والی روحوں کے دی گئی یا نہیں۔ اگر نہیں تو اب اجسام کی تقسیم

ذی رُوح اور غیر ذی رُوح کی طرف کیونکر ہوگی۔ جبکہ روحیں ہر جسم کے ذرات میں موجود ہیں۔ نیز یہ کہ اس تقدیر پر ہر ذی رُوح جسم میں ہزاروں مختلف روحانی اثرات ماننے پڑیں گے۔ جس سے اس جسم کا ایک لاینحل کشمکش میں پھنس کر مجبور ہونا لازم آئے گا۔ کیونکہ ذرات والی روحوں پر کوئی حاکم رُوح نہیں کی گئی٭

نمبر ۸۔ مادے اور رُوح کو خدا نے فقط ارادے سے ترکیب دی ہے۔ یا کسی آلے کے ذریعے سے۔ اگر صرف ارادے سے تو دنیا میں اس کی کوئی نظیر بتاؤ۔ یعنی کبھی کسی نے ایسا کیا۔ کہ فقط ارادے سے چند چیزوں کو اکٹھا کر کے ان سے ایک مرکب تیار کر لیا ہو٭

نمبر ۹۔ رُوح اور مادے میں باہم اتصال کی قابلیت اور قوت کشش موجود تھی یا نہیں۔ اگر نہیں تو خدا نے ان میں یہ قابلیت اور قوت پیدا کر کے ان کو باہم ملایا۔ یا بغیر پیدا کئے ہوئے۔ اگر پیدا کر کے ملایا تو یہ دعویٰ کہ مادہ و رُوح کے کل خواص ان کے ذاتی ہیں۔ ان کا کوئی خاصہ خدا کا مخلوق نہیں کیونکہ صحیح ہوگا۔ نیز جبکہ رُوح و مادے کے بعض خواص خدا کے پیدا کردہ ثابت ہوئے تو ان کے دوسرے خواص کی نسبت کیونکر یقین کیا جا سکتا ہے۔

کہ وہ خدا کے پیدا کئے ہوئے نہیں ہیں بلکہ ذاتی ہیں - اور پھر ان کی ذاتوں کی نسبت یہ یقین رکھنے کا کیا ذریعہ ہے - کہ یہ خدا کی مخلوق نہیں ہیں - پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے - کہ خدا کو ان خواصوں کے پیدا کرنے کی کیا ضرورت محسوس ہوئی - جس طرح خدا مساوی حالت میں بے غم پڑا ہوا چین کرتا تھا - اور کرتا ہے - اسی طرح ان دونوں کو بھی مساوی حالت میں پڑا رہنے کیوں نہ دیا - ان میں باہم ملنے اور مل کر ان جھگڑوں کے اٹھانے کا کوئی اقتضا ہی نہ تھا - اگر بغیر پیدا کئے ہوئے ملایا تو یہ دونوں مل کیسے جبکہ ان میں ملنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے - کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ایک چیز بغیر کسی صلاحیت کے کوئی اثر قبول کرے - اس کی کوئی نظیر بتاؤ - اور اگر ان میں ملنے کی صلاحیت اور قوتِ کشش موجود تھی تو پھر خدا کو ان کے ملنے میں کیا دخل - خدا کا کام تو محض سوچنا اور ارادہ کرنا ہے - جس سے کوئی نیا اثر نہیں پیدا ہو سکتا - بس یہ خود ہی ملے اور دنیا بن گئی - پس چلئے اب خدا کا وجود بھی ثابت نہیں ہو سکتا - اگر بفرضِ محال خدا کا وجود مان بھی لیا جائے - تو محض بیکار پانی میں جلانے کا خاصہ - ہم لاکھ بیٹھے ارادہ کیا کریں - پانی جلا نہیں سکتا - آگ میں جلانے کا خاصہ ہے - ہم ارادہ کریں یا نہ کریں

وہ جب کسی چیز سے ملے گی جلا کر چھوڑے گی +

**نمبر ۱۰**- مادہ و روح کی ترکیب سے جو ایک صورت پیدا ہوئی - وہ مادہ و روح میں علیحدگی کے وقت بھی تھی یا نہیں - اگر تھی تو ترکیبی صورت بسبب اس کے کہ مادہ و روح کے ساتھ پہلے ہی سے قدیم ٹھہری - اگر نہیں تو خواہ مخواہ نیستی سے آئی - بتاؤ نیستی سے ہستی ہوئی یا نہیں +

**نمبر ۱۱**- سوالات صدر کے جواب دینے کے بعد آپ کے پاس پرمیشور کی ہستی کے جو دلائل باقی رہ گئے ہوں وہ بیان کیجیے +

**نمبر ۱۲**- خدا کو ساری کائنات کا ایک ہی دفعہ علم ہو گیا یا وقتاً فوقتاً یعنی جب جو چیز پیدا ہوئی تب خدا کو اس کا علم ہوا پہلی صورت معلوم سے پیشتر علم ہونا لازم آتا ہے - جو ویدانت فلسفے کے بالکل خلاف ہے - دوسری صورت میں خدا کے اندر تبدیلیاں لازم آتی ہیں - کیونکہ جو چیز آج پیدا ہوئی - خدا آج سے پیشتر اس کو نہ جانتا تھا - آج جان گیا - پس انسانوں کے مانند خدا بھی ایک وقت بعض چیزوں سے جاہل رہتا ہے اور پھر اُن کا عالم بن جاتا ہے +

نمبر ۱۳۔ خدا نے تمام چیزوں کو اکٹھا پیدا کیا یا بدفعات دوسری شق میں۔ اس کی خالقیت کا متبدل و متغیر ہوتا رہنا لازم آتا ہے۔ پہلی صورت میں تمام چیزیں قدیم ٹھیرتی ہیں*

نمبر ۱۴۔ جب خدا قدیم۔ مادہ قدیم۔ رُوح قدیم۔ ان کی ترکیب قدیم تو کل مرکبات کیوں نہ قدیم ہوئے اور جب مرکبات حادث مانے جاتے ہیں۔ تو کیوں ان کے کل اجزا و علل حادث نہ مانے جائیں*

نمبر ۱۵۔ خدا کو آپ انسان کے مانند فاعلِ مختار مانتے ہیں یا نباتات و جمادات کے مانند فاعل (بالطبع) غیر مختار۔ دوسری شق میں خدا غیر شعور وغیرہ مدرک ٹھیرتا ہے۔ پہلی شق میں اس کا ہر فعل حادث ہوگا۔ کیونکہ فاعل مختار اپنا فعل ارادے کے بعد کرتا ہے۔ اور جو چیز کسی کے بعد ہوتی ہے۔ حادث ہوتی ہے۔ تب خدا کا ترکیب دینے کا فعل کیونکر قدیم ہوگا۔ اور سلسلۂ دنیا کیونکر قدیم ہو سکتا ہے*

نمبر ۱۶۔ ویدانت فلسفے کے مطابق توحید کی تعریف کرو۔ اور اس کے ثبوت کی دلیل لکھو*

نمبر ۱۷۔ جبکہ رُوح و مادہ دونوں قدیم اور خدا کے مانند

غیر مخلوق ہیں تو یہ خدا سے ہیٹے کیوں رہے*

نمبر ۱۸- خدا میں کون چیز تمام کمالات کے پائے جانے کا منشا ہے- اور آیا وہ منشا رُوح و مادے میں موجود ہے- یا نہیں*

نمبر ۱۹- ہر چیز میں ایک ذات ہوتی ہے- اور باقی صفات- خدا میں بتاؤ کون سی چیز ذات ہے- اور کونسی چیزیں صفات*

نمبر ۲۰- یہ بتاؤ کہ تناسخ کے پورے سلسلے کا نتیجہ کیا ہے اگر کوئی نتیجہ نہیں- کیونکہ یہ سلسلہ ختم ہی نہیں ہوتا- کام کئے جاؤ اور سزا بھگتے جاؤ تو انسانوں کو آسانی کیا ہوئی- اور خدا کا رحم کیا ہوا*

نمبر ۲۱- روحیں اپنے اعمال کے اثرات سے خود سزا و جزا پاتی ہیں- جیسا کہ زہر خورندہ شخص زہر کے اثر سے خود بخود تکلیف اٹھاتا ہے- یا خدا ان کو انتقاماً سزا و جزا دیتا ہے- زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ رُوح اپنے برے کرموں کے سبب سے غم زدہ رہا کرے- پہلی صورت میں خدا کو کچھ دخل نہیں رہتا- تب یہ کہنا کہ انسان عمل کا نتیجہ پانے میں تابع

مرضیٔ ایشور ہے۔ کیونکر صحیح ہوگا۔ دوسرے اس تقدیر پر یہ سمجھ میں
نہیں آتا کہ بعض روحیں گناہوں کے اثر سے مجبور ہو کر جانوروں کے
قالب میں خود بخود گھس جائیں۔ دوسری صورت میں کئی باتیں غور
طلب ہیں۔ ایک یہ کہ خدا کو جزا و سزا کا حق بھی حاصل ہے۔ یا
نہیں۔ جب تم مانتے ہو کہ انسانوں کے تمام اعمال و افعال اور
ان کے تمام خواص و صفات خود ان کے ہیں۔ خدا نے صرف ان
کے دو جزوں کو باہم ملایا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ اس کو انسانوں کے
اعمال و افعال کے انتقام کا حق نہیں حاصل ہے۔ کیونکہ کوئی خاص
بات خدا نے انسانوں کو نہیں دی۔ رہی ترکیب تو وہ اس فعل کا
خود جواب دہ ہے۔ کیونکہ انسان سوال کر سکتا ہے۔ کہ خدا نے ہم
کو مساوی حالت میں کیوں نہ رہنے دیا۔ دوسرے یہ کہ اس
سزا و جزا سے کچھ نفع ہے۔ یا نہیں۔ اگر ہے تو کس کا خدا کا یا
انسانوں کا۔ اگر خدا کا ہے تو وہ خود غرض اور محتاج ٹھیرا۔ اگر انسانوں
کا ہے تو وہ نفع ہم تک آنا چاہیے۔ اگر کچھ نفع نہیں۔ تو لغویت ظاہر ہے
تیسرے یہ کہ خدا کو بعد دنیا بن چکنے کے کچھ کام کرنے کا اختیار بھی
باقی رہ گیا۔ تاکہ لوگوں کو سزا و جزا دے یا نہیں۔ جب یہ مانا جاتا
ہے کہ خدا نے شروع دنیا میں صرف ترکیب دے دی۔ اس کے

بعد اسی ترکیب سے سب کچھ ہو رہا ہے۔ اور خود مادہ و روح یہ سب کرشمے دکھا رہے ہیں۔ تو اب دوسری دنیا بننے تک تو خدا بالکل بے کار رہے گا۔ درمیان میں سزا و جزا کا نیا فعل کیونکر کرسکتا ہے *

نمبر ۲۲۔ تناسخ کو مذہبی عقائد سے الگ ہو کر ثابت کرو *

نمبر ۲۳۔ دو حقیقتوں کے مختلف سمجھنے کا کیا معیار ہے۔ اس معیار کی رُو سے پانی اور ہوا دو مختلف حقیقتیں ہیں یا نہیں *

نمبر ۲۴۔ دو چیزوں کو سبب اور نتیجہ سمجھنے کا معیار بتاؤ اور اس معیار کی رُو سے یہ بتاؤ کہ امسال کا موسم بہار امسال کی بارش کا نتیجہ ہے۔ اور امسال کی بارش اس کا سبب ہے۔ یا کہ سو برس پہلے پچھلے سال کی بارش کا نتیجہ ہے اور وہ اس کا سبب *

نمبر ۲۵۔ پرلے (جب دنیا بالکل فنا ہو جاتی ہے) تمام انسانوں کے کامل نیک بن جانے کے بعد ہوتا ہے۔ یا اس سے پہلے۔ پہلی صورت میں یہ ماننا پڑتا ہے کہ پرلے میں تمام انسان مکتی کو پہنچ جاتے ہیں۔ اچھا اب یہ بتاؤ کہ پرلے کے بعد

جب دوسری دنیا بنتی ہے۔ اور انسانوں کی شروع شروع پیدائش ہوتی ہے۔ تو ان کروروں مکتی یافتہ انسانوں میں سے صرف چار شخص دید کے ملہم ہونے کے لئے کس استحقاق سے منتخب ہوتے ہیں۔ جبکہ سب کے سب بالکل یکساں تھے۔ دوسری صورت میں خدا ظالم اور ناموقع شناس ٹھیرتا ہے۔ کیونکہ ایسے وقت دنیا کو فنا کر دیا جبکہ کچھ لوگ بدکار تھے۔ اگر ان کو موقع دیا جاتا تو وہ نیک بن سکتے۔ دوسرے یہ کہ اب بدکار انسانوں کو جانوروں اور درختوں کا قالب کہاں ملے ہوگا۔ دنیا تو ذرات کی شکل میں آگئی۔ لامحالہ یا تو ان کو پرلے کے زمانے تک معطل مانو۔ یا کہو کہ ان کو صرف روحانی سزا دی جائے گی۔ اور دونوں باتیں ہیں خلاف قانون کیونکہ وید تمام سزاؤں کو جونوں کے ذریعہ سے جسمانی مانتا ہے۔ نیز یہ مانتا ہے۔ کہ روح بدن سے نکلتے ہی سزا و جزا پانے لگتی ہے۔ اس کو ایک منٹ بھی حوالات میں انتظار کرنا نہیں پڑتا۔

نمبر ۲۶۔ پرلے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر یہ کہو کہ دنیا مرکب ہے۔ اور ہر مرکب کے اجزا کا کسی نہ کسی وقت علیحدہ علیحدہ ہو جانا ضروری ہے۔ اس لئے ہر مرکب کا فنا ضروری ہے۔

اس لیئے دنیا کی پرلے (فنا) بھی ضروری ہے - تو میں عرض کروں گا کہ یہ قانون تو وہاں چل سکتا ہے - جہاں اجزا خود بخود تو ملتے نہیں - تاکہ کسی وقت خود بخود علیحدہ ہوجائیں - خدا نے زبردستی ان کو ہمیشہ ملائے رکھ بھی سکتا ہے - پس دنیا کا مٹانا خدا کا فعل ہوا - اب بتاؤ کہ اس سے خدا کی کیا غرض ہے *

نمبر ۲۷ - وید کے الہام کے لیئے ایک آدمی کافی تھا - چار آدمیوں پر چار حصے کیوں اترے *

نمبر ۲۸ - وید کے معنی والفاظ دونوں خدا کے ہیں - یا معانی خدا کے اور الفاظ ملہم رشیوں کے دوسری صورت میں ویدک زبان کو ایشوری (خداوندی) زبان کہنا غلط ہوگا - کیونکہ معنی کے لیئے کوئی زبان نہیں ہوتی - دوسرے یہ کہ اس تقدیر پر کل وہ بہتر بن خیالات جو انسانوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں - الہام ٹھیریں گے - کیونکہ وہ خدا کے خیالات ہیں - تیسرے یہ کہ وہ اُن معانی اور مضامین کو الفاظ میں کیونکر ادا کر سکے - جبکہ یہ الفاظ خدا نے نہیں بتائے اور نہ خود فوراً ایک زبان ایجاد کر سکتے تھے - جیسا کہ سماج میں مانا جاتا ہے - پہلی صورت میں بتاؤ - کہ الفاظ کس طریقہ سے ان کے دماغوں میں آگئے - کیا خدا وہ الفاظ بولا

اور انہوں نے سنا۔ یا کسی دوسرے نے پڑھ کے سنایا۔ یا قوتِ متخیلہ نے خود وضع کر لئے۔ پھر بتاؤ کہ انہوں نے ان الفاظ کے معانی کیونکر سمجھے۔ جبکہ وہ اس زبان سے ناآشنا تھے۔ پھر وہ اس مجموعے کو جو یکبارگی ان پر نازل ہو گیا۔ کیونکہ محفوظ رکھ سکے +

نمبر ۲۹۔ الہام کا دروازہ کیوں بند ہو گیا۔ وہ قومیں جو صدیوں تک گمراہی میں پڑی رہیں اور وہاں وید نہ پہنچ سکا تو کیا خدا کی بے انصافی نہ ہوگی کہ وہاں کسی شخص کو نیا الہام بھی نہ دیا جائے اور نہ وید ہی پہنچانے کا سامان بہم کیا جائے۔ ہاں اسی سلسلے میں یہ بھی بتاؤ کہ اس قسم کی قومیں گیا کسی جرم کی پاداش میں تاریکی و بے کسی کی مصیبت اٹھا رہی ہیں۔ کیا قوم کی قوم بھی مجرم بنانے اور اس کو پاداش دینے کا کوئی قانون وید میں موجود ہے۔ اور ہاں اس کو مانتے ہوئے یہ مشکل آن پڑتی ہے کہ اس مجرم قوم کا ہر ہر شخص تو بعد سزا پا لینے کے انسانی قالب میں از سرِ نو عمل کرنے کے لئے آیا ہے۔ پھر ان کو اس بے سرو سامانی کی سزا کیوں اور کس جرم میں مل رہی ہے۔ اور کیا ان کو پاک و صاف اور آزاد بنا کر دوبارہ جنم دینے کے یہی معنی ہیں

کہ ان کو ایسے بیابان اور جنگل میں پیدا کر دیا جائے۔ جہاں تمدن اور مذہب کا کوئی سامان ہی نہ ہو۔

**نمبر ۳۰**۔ ویدوں کا فلسفی حصہ الہام میں داخل ہے۔ یا نہیں۔ اگر ہے تو کیا اگر کوئی شخص اسی قسم کے فلسفی خیالات خود ایجاد کرے تو اس کے خیالات الہام ہوں گے۔ اور وہ شخص ملہم ہوگا یا نہیں۔ نفی کی صورت میں دونوں میں فرق بتانا چاہیئے۔

**نمبر ۳۱**۔ کوئی شخص خود غور کر کے فلسفہ و تمدن کے خیالات ایجاد کر سکتا ہے۔ یا نہیں۔

**نمبر ۳۲**۔ وید کا آغاز آفرینش سے ہونا محققانہ تاریخ سے ثابت کرو۔ محض قیاس سے کام نہ لو۔ کیونکہ تاریخی زمانے سے آگے چل کر قیاس تاریک ہو جاتا ہے۔

**نمبر ۳۳**۔ وید کے تمام اصول ہر زمانے کے لئے موافق اور قابل عمل ہیں۔ یا نہیں۔ اگر نہیں تو وید کا اتنا حصہ جس میں اس قسم کے اصول موجود ہیں۔ ایک زمانے میں بیکار ٹھیرا۔ اور یہ الہامی کتاب کے لئے نہائت قبیح امر ہے۔ پس اگر اس قباحت سے بچنے کے لئے الہامی کتابوں کا سلسلہ مانا جائے اور ہر ایک ایک مخصوص زمانے کے لئے جائے تو کیوں یہ خیال غلط

ہے۔ اگر کُل اصول ہر زمانے کے لیئے قابلِ عمل ہیں تو کیا اس زمانے کے لیئے نیوگ بھی قابل العمل ہے جس کی بابت ارکان آریہ سماج کا اتفاق ہو چکا ہے۔ کہ ابھی اس پر عمل کرنے کا زمانہ نہیں آیا*

**نمبر ۳۴**۔ زنا کی ایسی تعریف کرو۔ جس سے نیوگ خارج ہو جائے۔ نیز یہ بتاؤ کہ جب اولاد پیدا کرنی ہی مباشرت کا اصل مقصد ہے۔ اور اسی عرض سے یہ دلیری برتی جاتی ہے۔ پس اگر ایک شخص اس مبارک عرض کے لیئے زنا کرے تو وہ کیوں ناجائز ہو گا۔ خصوصاً آج کل جب کہ مقدس نیوگ کا دروازہ مہاپرشوں کی کوتاہ اندیشی سے بند ہو چکا ہے*

**نمبر ۳۵**۔ وید کی رُو سے یہ بتاؤ کہ نیوگ میں نیوگی اور نیوگن دونوں کے لیئے یہ شرط ہے۔ یا نہیں۔ کہ وہ خواہش اور لذت کے تصور سے بالکل پاک ہوں۔ صرف اُولاد پیدا کرنا ہی دونوں کا اخیر تک مقصد رہے۔ اگر ہے تو مہربانی کر کے یہ بھی بتائیے کہ ایسا ہونا بھی ممکن ہے یا نہیں۔ اگر نہیں (شاذ کو چھوڑ دیجیے) تو وید میں اس تعلیم کی طرف عام دعوت کیوں دی گئی ہے۔ نیز یہ کہ اس تقدیر پر اس پاک اصل کی غرض

یعنی کثرت بنی نوح انسان کیونکر حاصل ہو سکتی ہے*

نمبر ۳۶۔ نیوگ کی اولاد عورت کے اصلی شوہر کی طرف کیوں منسوب کی جاتی ہے۔ جب کہ وہ غیر کے صلب سے ہے اس کی اصلی فلاسفی پر نظر رکھتے ہوئے یہ بھی بتاؤ کہ عورت کا زنا سے حرام بچہ کیوں نہ اس کے اصلی شوہر ہی کی طرف منسوب کیا جائے*

نمبر ۳۷۔ یہ بھی بتاؤ کہ نیوگ کی تعلیم کیوں نہ کثرت زنا کا سبب کہی جائے۔ جبکہ اسی کے مقدس پردے میں گذشتہ جنہوں نے آریہ ورت میں ایک دند مچادی تھی۔ حتیٰ کہ گھوڑوں تک سے عورتوں کا سماگم کروایا*

نمبر ۳۸۔ جبکہ آریہ سماج میں بھی کئی فرقے ہو گئے ہیں۔ چنانچہ دو فرقے گھاس پارٹی اور ماس پارٹی کے نام سے مشہور ہیں۔ جس میں ایک گوشت خوری کے جواز کا قائل ہے۔ اور دوسرا عدم جواز کا تو یہ آریہ سماج کس فرقے کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے۔ اور اس نے کس فرقے کے حق ہونے کا کیا معیار مقرر کیا ہے*

نمبر ۳۹۔ نجات کے لئے وید کے فلسفی مسائل پر ایمان رکھنا ضروری ہے یا نہیں۔ اگر ضروری ہے تو بے سمجھے ہوئے

ایمان رکھنا کافی ہے۔ یا بہ تحقیق ماننا ضروری ہے۔ اگر بہ تحقیق ضروری ہے۔ تو جاہل جو نہ علم رکھتے ہیں۔ نہ مشاغل ضروریہ کی وجہ سے اتنی فرصت کہ علم حاصل کریں۔ کیونکر نجات پائیں گے۔ بلکہ جاہلوں کو بالائے طاق رکھ کر ان بزرگواروں کا حال بتایئے۔ جو دن رات فلسفے میں غرق رہے اور پھر ایک لفظ یقینی طور پر سمجھ میں نہ آیا کہ ان کو کیونکر نجات ملے گی۔ اگر بلا سمجھے ایمان رکھنا کافی ہے تو دیانند صاحب کا یہ ارشاد کہ بغیر صحیح کامل گیان (علم) کے مکتی نہیں ہو سکتی کیا معنی رکھتا ہے۔ اگر یہ کہو کہ کامل صحیح گیان کا مطلب محققانہ یقین نہیں ہے۔ بلکہ درست خیال تھا۔ وہ کیسا ہی انجان پن کے ساتھ ہو۔ تو میں کہوں گا کہ ہر مذہب کا وہ نیکوکار شخص جو یہ خیال رکھتا ہو کہ اگر وید خدا کی کتاب ہے تو اس میں جو کچھ لکھا ہے سب سچ ہے۔ صحیح گیان رکھتا ہے۔ اگر فلسفی مسائل پر ایمان رکھنا ضروری نہیں ہے۔ تو وید کے اس حصے میں اور دوسری سائنٹیفکٹ کتابوں میں کیا فرق ہے +

نمبر ۷ سچے مذہب کا جامع و مکمل معیار بتاؤ +

# قابلِ دید اور دلچسپ کتابوں کی فہرست

| نام ناول | رعایتی قیمت | نام ناول | رعایتی قیمت | نام ناول | رعایتی قیمت |
|---|---|---|---|---|---|
| اسیرِ گیسو | ۸ر | حسنِ اینجلنا | ۱۰ر | سپاہی کی دلہن | ۴ر |
| خونی منظر | ۳ر | درگیش نندنی | ۱۰ر | پرانا چنڈول | ۶ر |
| کنول کنواری | ۲ر | منصور موہنا | ۱۰ر | کشتۂ ناز | ۶ر |
| خوبیٔ قسمت | ۳ر | محبوبۂ لندن | ۱۰ر | وفادار معشوقہ | ۶ر |
| یوسف اور دل آرا | ۳ر | قتیلِ حسرت | ۴ر | خونِ تمنا | ۱۰ر |
| انوکھی جوگن | ۳ر | وفائے دلبر | ۴ر | پُر ارمان لڑکی | ۶ر |
| جانکی | ۳ر | دوشیزہ لڑکی | ۴ر | نازنین | ۱۰ر |
| بہشت بریں | ۳ر | فردوسِ بریں | ۸ر | جوشِ شباب | ۱۰ر |
| اٹھتی جوانی | ۳ر | محرومِ وصال | ۴ر | مالن کی بیٹی | ۲ر |
| خونِ دل | ۳ر | شامِ غم | ۴ر | ایران کی شہزادی | ۲ر |
| کنیزِ فاطمہ | ۳ر | بنگالی مینا | ۲ر | دردِ جگر | ۲ر |
| ناصر اختر بانو | ۳ر | چٹپٹا ناول | ۴ر | امیدِ وصال | ۲ر |
| انصاف کا پھول | ۳ر | محبت کی پتلی | ۴ر | نئی دُلہن | ۲ر |

ملنے کا پتہ: منیجر تاریخی کتب خانہ لاہور

| نام ناول | قیمت | نام ناول | قیمت | نام ناول | قیمت |
|---|---|---|---|---|---|
| رشید خاتون | ۲ر | سونے کی چڑیا حصہ دوم | ۲ر | کامنی ڈرامہ | ۲ر |
| سچی الفت | ۲ر | انوکھی معشوقہ | ۳ر | فردوسِ بریں | عہ |
| کرشمۂ الفت | ۲ر | تاثیرِ الفت | ۳ر | چمپا عرف روشنی | ۳ر |
| جرمِ الفت | ۲ر | بدر النساء کی مصیبت | ۴ر | فاروقِ اسلام | ۳ر |
| ہیرے کی کنی | ۲ر | عزیز عاشق | ۲ر | دو جورو کا شوہر | ۴ر |
| تمیز دار دلہن | ۲ر | شیدا حسینہ | ۲ر | شہیدِ ناز | ۳ر |
| اندھیر نگری | ۲ر | جذبۂ الفت | ۲ر | لعبت چین مصنفہ عبدالحلیم شرر | ۳ر |
| خارِ غم | ۲ر | نوابی دربار | ۳ر | شیطان کا مرید | ۹ر |
| پارس کا ٹکڑا | ۲ر | داؤ پیچ ڈرامہ | ۳ر | انجام | ۵ر |
| قصہ علی بابا | ۲ر | مارِ آستین | ۳ر | سلیمہ بیگم | ۲ر |
| قصہ سوتے جاگتے | ۲ر | خونِ وفا ڈرامہ | ۳ر | جمیلہ | ۵ر |
| قصۂ قمر الزماں | ۲ر | شریف ڈاکو ڈرامہ | ۲ر | فسانۂ پدماوتی | ۴ر |
| بہیچم حصہ اول | ۲ر | بزمِ فانی ڈرامہ | ۱ر | چند پند | ۱۴ر |
| بہیچم حصہ دوم | ۳ر | دل فروش ڈرامہ | ۳ر | ہم خرما و ہم ثواب | ۱۴ر |
| سونے کی چڑیا حصہ اول | ۲ر | سفید خون ڈرامہ | ۲ر | عجیب ٹھگ | ۸ر |

ملنے کا پتہ: منیجر تاریخی کتب خانہ لاہور

| نام ناول | رعائتی قیمت | نام ناول | رعائتی قیمت | نام ناول | رعائتی قیمت |
|---|---|---|---|---|---|
| بندوق باز بابو | ۱ر | انوکھی معشوقہ | ۱۰ر | چمپا عرف روشنی | ۸ر |
| خوبصورت بلا عرف ڈراما | ۵ر | بھول چوک | ۶ر | قتل خون | ۱۰ر |
| مہر جیا | ۳ر | مہرالنسا | ۸ر | اگلا پچھلا پیار مکمل | عگ |
| جلوہ | عہ ۸ر | کوکلا کماری | ۶ر | پدماوت | ۸ر |
| سلیمان و تارا | ۶ر | لاش کی چوری | عہ | کنیز فاطمہ | عہ |
| حسن انجلینا | عہ | شہزادہ چین | ۸ر | دلکش کامل ہر دو حصہ | عہ |
| منصور موہنا | ۳ر | یوسف و نجمہ | ۱۰ر | ثمرہ دیانت | ۱۲ر |
| درگیش نندنی | عہ | دلچسپ کامل ہر دو حصہ | عہ | عیاشی کا خفیہ راز | ۱۲ر |
| انگلستان کا کچا چٹھا | عہ | وفائے خانصاحب | ۱۲ر | وینس کا سوداگر | ۱۰ر |
| خوبصورت بلا | ۸ر | شیطان کا مربیہ حصہ اول دوم | عگ ۱۲ر | خونِ وفا | ۱۰ر |
| مبیم یورپین لیڈی | ۱۰ر | عزیز عاشق | ۸ر | فانوسِ خیال | عہ |
| لالہ رُخ | عہ | نوابی دربار | ۱ر | گلروز زرینہ | ۸ر |
| وینس کا بانکا | ۱۲ر | انجام | عہ | نئی نویلی | ۸ر |
| ملک العزیز ورجنا | عہ | سونیکی چڑیا ہر دو حصہ | ۱۲ر | تاثیر الفت | ۸ر |
| مارِ آستین | ۱۲ر | عشق دلفریب | ۶ر | سلطان نازک ادا | ۱۰ر |

| نام ناول | رعایتی قیمت | نام ناول | رعایتی قیمت | نام ناول | رعایتی قیمت |
|---|---|---|---|---|---|
| چالاک قاتل | عہ؍ | سوتیلی ملکہ | ۳؍ | بہشتی حوریں | ۴؍ |
| انڈین جاسوس | ۱۲؍ | سلیقہ شعار بیوی | ۳؍ | ہندوستانی شہزادیاں | ۹؍ |
| حور عرب | ۶؍ | بہشتی زیور کامل گیارہ حصہ معہ بہشتی گوہر مصنفہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی | | سوانح زیب النساء | ۴؍ |
| حور عراق | ۶؍ | | عہ؍ | تعلیم نسواں کی پہلی | ۲؍ |
| شریف بی بی | ۶؍ | زیور ایمان | ۸؍ | تعلیم نسواں کی دوسری | ۳؍ |
| پُر اسرار اجنبی | ۱۲؍ | رفیق نسواں | ۸؍ | تعلیم نسواں کی تیسری | ۴؍ |
| کمسن مصور | ۴؍ | ادیب نسواں | ۵؍ | انشائے نسواں | ۴؍ |
| اختر جمیلہ | ۲؍ | انتظام خانہ داری | ۴؍ | وفادار بیٹی | ۱؍ |
| آہِ مظلوم | ۴؍ | ہنر آموزی | ۴؍ | چھ مامائیں | ۱؍ |
| قصہ الہ دین چراغ | ۳؍ | کھانا پکانا | ۴؍ | سگھڑ سہیلی | ۲؍ |
| کل کا گھوڑا | ۲؍ | زنانہ اردو خط وکتابت | ۵؍ | اخلاقی گیت | ۱؍ |
| حصہ مسند باد جہازی | ۲؍ | پردہ نسواں | ۵؍ | شہزادی بلقیس | ۱؍ |
| حسن بن صباح | ۲؍ | ہدیۃ المستورات | ۴؍ | نادیدی بیگم | ۱؍ |
| شوہر پرست | ۴؍ | لیڈی ڈاکٹر ثریا حبیب النساء | ۳؍ | دکھیا شہزادی | ۱؍ |
| عصمت آرا | ۴؍ | خورشید جہاں | ۴؍ | دکھیاری دلہن | ۱؍ |

| نام ناول | رعایتی قیمت | نام ناول | رعایتی قیمت | نام ناول | رعایتی قیمت |
|---|---|---|---|---|---|
| خدا پرست بی بی | ۱ر | محبوب سبحانی رح | ۱۰ر | سرسید کے اخلاقی مضامین | ۵ر |
| جہانگیر کی چہیتی بیگم | ۱ر | آداب الاستاد و الوالدین مصنفہ مولوی محمد عاشق | ۸ر | مولانا شبلی کے تاریخی مضامین | ۸ر |
| قاعدہ اسلام اردو | ۱ر | اخلاقی کہانیاں | ۴ر | مولوی حالی کے ادبی مضامین | ۵ر |
| اسلام کی پہلی کتاب | ۲ر | پریوں کا بادشاہ | ۳ر | انسان اور اسکی زندگی | ۳ر |
| اسلام کی دوسری کتاب | ۳ر | دوست شفیق | ۲ر | مہمان و میزبان | ۳ر |
| اسلام کی تیسری کتاب | ۴ر | شاہجہان | ۱ر | مسدس حالی | ۶ر |
| اسلام کی چوتھی کتاب | ۵ر | سوانحعمری بایزید بسطامی | ۳ر | نظم حالی | ۴ر |
| اسلام کی پانچویں کتاب | ۶ر | محمود غزنوی | ۱ر | فریب ہستی | ۶ر |
| اسلام کی چھٹی کتاب | ۷ر | لڑکوں کا کھیل | ۱ر | تلاش آرزو | ۱۰ر |
| پیغمبروں کے حالات | ۵ر | انمول موتی | ۱ر | فریبی پتلا | ۸ر |
| ولیوں کے حالات | ۸ر | خواجہ حسن بصری | ۱ر | سلیقہ شعار بیوی | ۳ر |
| صدیق الرسول | ۳ر | اقوال رسول صلی اللہ علیہ وسلم | ۸ر | دام خیال | ۶ر |
| فاروق اسلام رض | ۳ر | رقعات غالب اردو | ۸ر | منظوم زہرا | ۳ر |
| جامع القرآن | ۳ر | زبان اردو کے عجیب مضامین | ۵ر | محبت کا شعلہ | ۶ر |
| سرتاج زہرا | ۳ر | مولوی نذیر احمد صاحب کے علمی مضامین | ۸ر | کتاب الطہارت اردو | ۴ر |

ملنے کا پتہ:- مینیجر تاریخی کتب خانہ لاہور

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام

# رسالہ اسلام

"اسلام" کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح و تربیت اور غیر مسلم طبقہ میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت ہے، چنانچہ دفتر اور مسلمانوں کی جانب سے غیر مسلم اصحاب میں "اسلام" مفت تقسیم بھی کیا جاتا ہے مسلمانوں کا فرض ہے کہ "اسلام" کا خود بھی مطالعہ کریں اور غیر مسلم اشخاص میں تقسیم بھی فرمائیں "اسلام" اپنے مضامین کے تقدس و پاکیزگی اور شان و شوکت کے لحاظ سے اسلام کا بہترین مرقع ہوتا ہے اس لئے غیر مسلم طبقہ میں اسکی تقسیم اسلام کی تبلیغ کا زبردست ذریعہ ہے، اہل قلم ہمدردان اسلام سے درخواست ہے کہ اپنے رشحات قلم سے "اسلام" کی آبیاری کریں۔ چندہ سالانہ (۲عہ)

نمونہ مفت

**ناظم دارالاشاعت** اسلام لاہور۔